February 2025

ماہنامہ

صدائے شبلی

حیدرآباد

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad
ISSN: 2581-9216

کرلیں اچھا کام کوئی جب ہمیں موقع ملے
ہاتھ سے موقع نکل جائے کہیں ایسا نہ ہو

زیرتعمیر عمارت مجوزہ نقشہ
شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

قیمت: -/20 روپے

www.shibliinternational.com

ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

فروری Feb 2025 جلد: Vol: 7 شمارہ: Issue: 84

ISSN: 2581-9216

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابو ہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	20/-
سالانہ:	220/-
رجسٹرڈ ڈاک:	350/-
بیرونی ممالک:	50/-امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
مفتی محمد فاروق قاسمی۔ مولانا ارشادالحق مدنی
ڈاکٹر نادرالمسدوسی۔ الحاج سید عظمت اللہ بیابانی
مولانا محمد مساعد ہلال احیائی۔ اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی
ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو
ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرارالحق سبیلی
ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی۔ ڈاکٹر نوری خاتون
ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد۔
مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا احمد نور عینی
ابو ہریرہ ایوبی۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط وکتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	**اپنی بات**	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۷
۳	صدّیقیت یا قرب (احسان)	مولوی حبیب الرحمٰن	۸
۴	شبِ قدر: عبادت کی رات	ڈاکٹر سیّد اسرار الحق سبیلی	۱۱
۵	**عید مبارک**	تجمل تاج فاطمہ	۱۰
۶	شمس الرحمٰن فاروقی بحیثیت نقاد	شمس الرحمٰن فاروقی بحیثیت نقاد	۱۲
۷	**غزل**	رہبر پرتاپ گڑھی	۱۸
۸	وقف ترمیمی بل 2024: شریعت پر ریاستی یلغار اور آئینی بقا کی جنگ	ڈاکٹر محمد اعظم ندوی	۱۹
۹	صدقۂ فطر کی حقیقت، فضائل اور احکام و مسائل	مفتی شکیل منصور القاسمی	۲۱
۱۰	**غزل**	جہانگیر قیاسؔ	۲۷
۱۱	موسم گرما اور اسکولوں کی سالانہ تعطیلات: بچوں کی تربیت کا بہترین موقع	مفتی امداد الحق بختیار قاسمی	۲۸
۱۲	**ایک تازہ غزل**	فیروز خان ندوی	۳۴
۱۳	**دوری**	سید عظمت اللہ بیابانی	۳۵
۱۴	**تازہ بہ تازہ ایک غزل**	محبوب خان اصغر	۳۶
۱۵	بیٹی کا اصل حق جہیز یا میراث؟	فائزہ عظیم احمد	۳۷
۱۶	**ایک قطعہ**	اقبال درد	۳۹
۱۷	**نعت نبی ﷺ**	بینام گیلانی	۴۰
۱۸	**غزل**	محمد افضل	۴۰
۱۹	فلسطین میں جاری بربریت کے خاتمہ اور وقف بل ترمیمی بل کے.....	محسن خان	۴۱

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابوسفیان اعظمی**، مقیم حال ممبئی

جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی**، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

الحاج **سید عظمت اللہ بیابانی**، وجے نگر کالونی، حیدرآباد

مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج **محمد زکریا** انجینئر (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر سعود**، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج **محمد قمر الدین**، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج **محمد عبدالکریم**، صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

ملک بھر میں سوشل میڈیا اور میڈیا کے ذریعہ، مغل، بابر، اکبر، اورنگ زیب کا نام متعصّبانہ، جاہلانہ، تاریخی شعور سے ناواقفیت کی بنیاد پر اپنے آپ کو خوش کرنے اور سماج میں شر پھیلانے کے لیے طوطے کی طرح رٹا جارہا ہے، یہ سماج اور ہمارے ملک کے لیے سمِ قاتل ہے، مغلوں نے ہندوستان پر ۱۵۲۶ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک تقریباً ساڑھے تین سو سال تک حکومت کی، اس اثناء میں ان سے بہت سارے علاقے قبضہ میں آتے جاتے رہے اور انھوں نے کئی عالی شان عمارتیں تعمیر کیں جن سے ہم مستفید ہورہے ہیں۔

مغلیہ سلطنت کا چھٹا بادشاہ محی الدین محمد معروف اورنگ زیب عالمگیر تھے، ان کی پیدائش ۳/ نومبر ۱۶۱۸ء ارجمند بانو ممتاز محل کے بطن سے ہوئی، شہاب الدین شاہ جہاں اول ان کے والد ہیں، انہوں نے انھیں عالمگیر کا خطاب دیا۔ ۳۱/ جولائی ۱۶۵۸ء میں تقریباً چالیس سال کی عمر میں انھوں نے زمام اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ کی ذاتی زندگی کی طرح بادشاہ رہتے ہوئے بہت ہی کم ملے گی۔ زاہد، درویش، صفت، قناعت پسند، عیش وعشرت سے دور، قرآن مجید کی کتابت، ٹوپیوں کی سلائی اور خزانہ سے اپنی ضروریات کو پورا نہ کرنا، سادگی سے رہنا اور سادہ زندگی گزارنا ان کا طرّہ امتیاز رہا، اورنگ زیب عالمگیرؒ ایک خط میں لکھتے ہیں:

> حکمرانی کی ذمّہ داریوں اور عوام کی اعلیٰ درجے میں خدمت اور ان کے تحفظ کے میں لائق نہیں تھا، میں جلد ہی خدا کی عدالت میں ایک گناہ گار کے طور پر سامنا کروں گا، آخری خط میں تین بار خدا حافظ، خدا حافظ، خدا حافظ لکھا ہے۔ مذکورہ خطور کے الفاظ سے ہمیں اورنگ زیب عالمگیرؒ کی بالکل الگ تصویر دکھائی دیتی ہے۔

اورنگ زیب عالمگیرؒ کی بطور حکمرانی کی زندگی پر اگر ہم نظر ڈالتے ہیں تو خوبیاں اور خامیاں نظر آتی ہیں، جس میں بہت سارے فرضی قصے کا بھی عمل دخل ہے۔ اتنی بات تو یہ طے ہے کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ ہندوستان کے وہ بادشاہ ہیں کہ جنہوں نے تقریباً پچاس سال حکومت کی، اس وقت ہندوستان کا رقبہ افغانستان سے لے کر بنگلہ دیش کی آخری سرحدوں اور لداخ وتبت سے لے کر جنوب میں کیرالہ تک پھیلا ہوا تھا۔ ان میں مختلف مذاہب اور مختلف تہذیب وتمدن کے ساتھ رہنے والے لوگ تھے، اور سب کی خبر رکھنے کے لیے خطوط اور پیغام رسانی کا خاص انتظام تھا۔ انہوں نے چند حکومتی مصلحت کو چھوڑ کر تمام مذاہب کے ساتھ رواداری، اور ان کی تہذیب وتمدن کا خاص خیال

رکھا۔ مساجد و منادر کی تعمیر کروائی اور ان کی تزئین و ترمیم پر خاص خیال رکھا۔ سرکاری خزانوں کو عوام کی فلاح و بہبود پر لگایا اور رفاہی کاموں کو انجام دینے کی بھرپور کوشش کی، تعلیم کی ترقی پر خصوصی توجہ دی، پڑھنے اور پڑھانے والوں کا خاص خیال رکھا اور جاگیریں دی گئیں۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے بیشتر فرمان تعلیم کے متعلق ہیں، ان کے دور میں ہندوستان دنیا کا امیر ترین ملک تھا اور یا کی کل جی ڈی پی کا ایک چوتھائی حصہ پیدا کرتا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ مسلمان تھے مگر حکومتی امور میں انہوں نے ۵۰ فیصد ہندوؤں کو شامل کیا تھا جن میں مراٹھوں کی تعداد زیادہ تھی۔

موجودہ وقت میں جو شر پسندی پھیلائی جارہی ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے ہندوؤں پر ظلم کیا، منادر گرائے، زبردستی مسلمان بنایا، اپنے بھائی کا قتل کرایا اور اپنے باپ کو قید کیا، سننے والا جو بھی سنے گا تو اسے اورنگ زیب عالمگیر سے نفرت ہوگی، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ بادشاہ تھے پیغمبر و فرشتہ نہیں تھے، تاریخ بتاتی ہے کہ بادشاہ اپنی حکومت کی بقا کے خاطر کچھ بھی کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ جمہوریت میں عوام کی حکومت ہوتی ہے، مگر ہمارے ملک میں لیڈروں نے اپنی سیاست اور اقتدار کی ہوس میں عوام میں نفرت کا ماحول کھڑا کر دیا ہے اور مسلم سماج کو حقیر گردانتے ہوئے یہ تک کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ لوگ مغلوں کی اولاد ہیں ان کو اس ملک میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے، ایسے الفاظ کہہ دینا یہ انسانیت کی توہین ہے۔ اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے تاریخ کو مسخ کرتے ہوئے نئی تاریخ بنانے کی کوشش میں میڈیا کے توسط سے وہ کام کرنا چاہتے ہیں کہ جس سے ہمارا ملک صدیوں پیچھے چلا جائے اور ملک میں بدامنی اور بے روزگاری پھیل جائے؛ کیوں کہ تشدد اور تعصب سے ملک کا کبھی بھلا نہیں ہوسکتا۔

موجودہ حکومت کے اشارے پر چند شر پسند اورنگ زیبؒ کی قبر کو مٹانا چاہتے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ عظیم الشان بادشاہ جب قریب المرگ ہوتا ہے تو وصیت کرتا ہے کہ مجھے خلد آباد میں کھلے آسمان تلے معمولی سی قبر میں دفن کر دیا جائے؛ تاکہ لوگ مجھے بھول جائیں لیکن موجودہ اور کچھ لوگ، میڈیا نے اس قدر اورنگ زیب کا نام دہرایا کہ وہ زندہ تار بن گئے جس میں مسلسل بجلی دوڑ رہی ہے، ان کا نام مٹنے کے بجائے اور گہرا نقش چھوڑ رہا ہے، کسی نے کیا خوب بات کہی ہے روشن ماضی سے روشنی لیجئے اور گندگی سے گندگی مت پھیلائیے۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

حضرت سودہؓ بنت زمعہ

ازواجِ مطہرات میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہؓ کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرتﷺ کے عقدِ نکاح میں آئیں، وہ ابتدائے نبوت میں مشرف بہ اسلام ہوچکی تھیں، اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، ان کی شادی پہلے سکران بن عمروؓ سے ہوئی تھی، حضرت سودہؓ ان ہی کے ساتھ اسلام لائیں اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت (ہجرت ثانیہ) کی، حبشہ سے مکہ کو واپس آئیں، سکران نے کچھ دن کے بعد وفات پائی اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا، جس کا نام عبدالرحمٰن تھا، انھوں نے جنگِ جلولا میں شہادت حاصل کی۔

حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے آنحضرتﷺ نہایت پریشان وغمگین تھے، یہ حالت دیکھ کر خولہ بنت حکیم نے عرض کی کہ آپؐ کو ایک مونس ورفیق کی ضرورت ہے، آپؐ نے فرمایا ہاں، گھر بار بال بچوں کا انتظام سب خدیجہؓ کے متعلق تھا، آپؐ کے ایما سے وہ حضرت سودہؓ کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا **انعم صباحا**، پھر نکاح کا پیغام سنایا، انھوں نے کہا ہاں، محمد شریف کفو ہیں لیکن سودہ سے بھی تو دریافت کرو، غرض سب مراتب طے ہوگئے، تو آنحضرتﷺ خود تشریف لے گئے اور سودہ کے والد نے نکاح پڑھایا، چارسو درہم مہر قرار پایا، نکاح کے بعد عبد اللہ بن زمعہ (حضرت سودہؓ کے بھائی) جو اس وقت کافر تھے آئے اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ کیا غضب ہوگیا، چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت پر ہمیشہ ان کو افسوس آتا تھا۔

حضرت عائشہؓ اور سودہ کا خطبہ اور نکاح چونکہ قریب قریب ایک ہی زمانہ میں ہوا، اس لیے مؤرخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہؓ کو تقدم ہے، عبداللہ بن محمد بن عقیل کا قول ہے کہ حضرت عائشہؓ کے بعد نکاح میں آئیں۔

شکل وشباہت

حضرت سودہؓ بلند بالا اور فربہ اندام تھیں اور اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں، حجۃ الوداع میں جب مزدلفہ سے روانہ ہونے کا وقت آیا تو انھوں نے آنحضرتﷺ سے اسی بنا پر سب سے پہلے چلنے کی اجازت مانگی کہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی۔

آیت حجاب سے پہلے عرب کے قدیم طرز پر ازواج مطہرات قضائے حاجت کے لیے صحرا کو جایا کرتی تھیں، حضرت عمرؓ کو یہ ناگوار ہوتا تھا، اس بنا پر آنحضرتﷺ کی خدمت میں پردہ کی تحریک کرتے رہتے تھے، لیکن ابھی استدعا قبول نہیں ہوئی تھی کہ حضرت سودہؓ رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے نکلیں، چونکہ ان کا قد نمایاں تھا، حضرت عمرؓ نے کہا، سودہؓ! تم کو ہم نے پہچان لیا، اسی واقعہ کے بعد آیتِ حجاب نازل ہوئی۔

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص:۳۲۱-۳۲۳)

مولوی حبیب الرحمن۔حیدرآباد

صدّیقیّت یا قُرب (احسان)

مصلحین کے خصوصی شغل دو ہی بیان کئے گئے۔

(1) تمسک بالکتاب (2) نماز کی پابندی (قائم کرنا)

"وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ اِنَّا لَانُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ" (سورہ الاعراف:170) ترجمہ: (اور جو لوگ کتاب سے تمسک کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور اُس کی پابندی کرتے ہیں ہم ایسے مصلحین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔) یعنی مصلح وہی ہے جس کی ہر فکر و نظر اور ہر خیال و عقیدہ کا ماخذ کتاب اللہ ہو وہ تمام مسائل کتاب اللہ، سنتِ رسولؐ اور جماعت صحابہ کرامؓ کی روشنی میں حل کرتا ہے۔ علم و حکمت کے انمول موتی وہ اسی چشمہ سے حاصل کرتا ہے۔ کتاب اللہ کے آیاتِ محکمات ہی علم و حکمت کا سرچشمہ ہیں۔ قرآن مجید سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ نماز ہی وہ عمل ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دلی لگاؤ بڑھتا ہے۔ نفس کے تزکیہ کی منزلیں طے ہوتی ہیں۔ رب و مولیٰ کے سامنے ذلت و عاجزی و نیازمندی، الحاح و زاری، گرویدگی و شیفتگی، خوف و خشیّت، شرم و ندامت کی تمام کیفیتیں جو بندگی کے لوازم ہیں نماز ہی میں پیدا ہوتی ہیں۔ نماز ہی ایک محتاج سراپا محتاج کی ان دلی آرزؤں و تمناوں کے اظہار کا طریقہ ہے جو ایک بندۂ حق کے دل میں پیدا ہوتی رہتی ہیں وہ یہ کہ اس کو ہر اس عمل کی توفیق ہو جو مرضیٔ رب ہے اس کا دل خشیّت الٰہی و حبِّ الٰہی سے معمور رہے۔ اس میں سرفروشی و جان نثاری کا عزم و حوصلہ پیدا کیا جائے، اس کو سراپا دعا و سراپا بندگی بنا دیا جائے اور دید و لقائے رب کا مشتاق، درجاتِ جنت کا حریص، تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ ابدی، خصوصی رحمتوں کا مستحق ہو جائے۔ غرض انبیاء علیہم السلام (صدیقین و مقربین) اور اہلِ علم، صحابہ کرامؓ کے خصوصی علم و عمل کا یہ اجمالی نقشہ اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ قرب و صدیقیت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

تقرب الی اللہ

اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بنے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ زیادہ سے زیادہ رحمتِ خاصہ سے سرفراز کیا جائے۔ انبیاء علیہم السلام جن کو صدیق و مقرب فرمایا گیا ہے ان کے متعلق ارشاد ہے "اَدْخَلْنٰھُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا" (سورہ الانبیاء:86) ترجمہ: (ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔) سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنے والوں کے متعلق ارشاد ہے: "سَیُدْخِلُھُمُ اللّٰہُ فِیْ رَحْمَتِہٖ" (سورہ توبہ:99) ترجمہ: (اللہ تعالیٰ ضرور ان کو اپنی رحمت میں داخل کرلیں گے۔) نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندے کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والی کتاب قرآن کے برابر کوئی اور چیز نہیں ہے۔ "**ماتقرب العباد الی اللہ بمثل ماخرج فیہ منہ یعنی القران**" (احمد و ترمذی)۔ قرآن مجید جو بندوں کے لئے ایک دستورِ رحمت ہے وہ اسی لئے نازل کیا گیا کہ بندے اس کی اتباع کرکے مستحقِ رحمت بنیں۔ "وَھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوْہُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ" (سورہ الانعام:155) ترجمہ: (یہ قرآن جو ہم نے نازل کیا ہے بڑی برکت والی کتاب ہے پس اس کی اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت نازل

کی جائے۔) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور الٰہ واحد ہونے کے مفصل دلائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی رحمانیت ورحیمیت کے فیضان واثر کا بیان ہے تا کہ بندہ اپنے فقر و بندگی کو پہچانے' اپنے انجامِ حیات اور اپنے فرائض حیات ''بندگی رب و احکاماتِ الٰہی'' کو سمجھے اور ان فرائض کو انجام دے کر حق تعالیٰ کی ابدی رحمت ومغفرت' جنت ودرجاتِ جنت کا مستحق بنے، یہی نیکوکار بندوں کی بڑی کامیابی ہے۔

سورہ جاثیہ میں روزِ قیامت کے بیان کے بعد ارشاد ہے:

''فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ'' (سورہ جاثیہ:30)

ترجمہ: (پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہی صریح کامیابی ہے)

مقام صالحیت وشہادت کی تکمیل کے بعد اگر بندۂ حق میں آگے بڑھنے اور اس سے بلند مقام پر فائز ہونے کی طلب ہو اور اس طلب کے ساتھ وہ قرآنی آیات میں غور وتدبّر کرتا رہے تو حق تعالیٰ کی رحمانیت ورحیمیت کا جو فیضان واثر ہر آن جاری ہے اس سے بندۂ حق باخبر اور مطلع کیا جاتا ہے۔ اس فیضان واثر پر جب اس کی نظر جم جاتی ہے تو جن اسمائے حسنٰی پر ایمان لا کر وہ صادق ہوا تھا ان پر ایسا یقین ہو جاتا ہے جیسے کسی چیز کو دیکھ کر اس کے ہونے کا یقین ہو جائے۔ جس کا یقین وصدق اتنا پختہ ہو جاتا ہے اس کو صدیق کہتے ہیں۔ لفظِ صدیق صادق کا صیغہ مبالغہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان خبر کے دائرے سے نکل کر مشاہدہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت اس کی سمجھ میں آجاتی ہے کہ کائنات اور خود انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی کا جو فیضان واثر باذنِ الٰہی (قانونِ الٰہی کے تحت) ہر آن جاری ہے وہ بھی قرآن مجید کی اصطلاح میں ''آیات اللہ'' ہے۔ ان آیات اللہ پر نظر جم جانے سے یہ حقیقت اس پر واضح کردی جاتی ہے کہ وہ اللہ جل شانہٗ ربِّ اعلیٰ وعظیم یعنی اللہ تعالیٰ اس کے حال پر متوجہ ہیں۔ اس کے محافظ ونگران ہیں اور اپنے کو ہر وقت اللہ جل شانہٗ کے سامنے حاضر وموجود سمجھتا ہے۔ حدیث شریف میں اس کیفیت کا نام ''احسان'' ہے۔ ''**ان تعبد ربك كانك تراهٗ فانلم يكن تراهٗ فانهٗ يراك**'' ترجمہ: (اپنے رب کی اس طرح عبادت کر گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے اگر چہ تو اس کو نہیں دیکھتا وہ تو تجھ کو دیکھتا ہے۔)

انسان' اللہ جل شانہٗ کا معلوم ومخلوق ہے۔ مخلوق اپنے خالق سے دور و پوشیدہ نہیں ہے' بندہ ہر وقت آقا کے سامنے ہے ایسے بندے کو رحمتِ خاصہ سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ یعنی اس کو وراثتاً انبیائی علوم اور انبیائی بصیرت عطا کی جاتی ہے۔ اس کے الہامات' آیاتِ محکمات کے مطابق ہوتے ہیں۔ دوسروں کے کشفی ارشاد سے وہ بے نیاز کر دیا جاتا ہے، اس کا خصوصی عمل بھی نماز ہے۔ نماز جس میں شروع سے آخر تک بندگی کی مشق ہے' بندگی کا اظہار ہے' اس مقام پر بندگی کا اظہار والہانہ ہوتا ہے۔ قیام' رکوع' سجدہ' نشست و برخاست' عرضِ حال (سورہ فاتحہ کی تلاوت) یہ سب اس طرح مودبانہ ہو جاتے ہیں جیسے ایک غلام اپنے ایک بڑے اقتدار والے حاکم کے سامنے اظہارِ بندگی کر رہا ہے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ نماز ہی میں حضوری کی مشق ہے جس سے اٹھنے میں' بیٹھنے میں' سونے میں' کھانے پینے میں' گفتگو میں' زندگی کی ہر حرکت وسکون میں بھی حضوری کے آداب ملحوظ ہو جاتے ہیں۔ یہی ادب وتمیز بندگی کا حسن ہے۔ بندگی کی خوبی ہے اس سے غفلت ہو تو استغفار کی توفیق ہو جاتی ہے اور جس طرح حالتِ نماز میں بندہ اپنے رب کے حضور میں رہتا ہے اس کی ہر حرکت وسکون سے بندگی ظاہر ہوتی ہے اسی طرح بندۂ مقرب کی پوری زندگی کا ظاہری و باطنی یہی نقشہ ہوتا ہے۔ ہر وقت اپنے حقیقی حاجت روا کے حضور میں رہنے سے یہ حقیقت

بھی آشکار رہتی ہے کہ وہی علم دے رہے ہیں۔ ہر بات سکھارہے ہیں، چلارہے ہیں، دکھارہے ہیں، سنارہے ہیں، کھلارہے ہیں وغیرہ۔ اور اپنے عمل میں جوخوبی وحسن پاتا ہے اس کو اسمائے حسنیٰ کا فیض واثر سمجھتا ہے۔ جس کی وجہ سے قلب جذبۂ شکر گزاری سے معمور ہوتا ہے، دعائے مسنونہ "اللھم مااصبح (امسیٰ) بی من نعمه اوباحدِ من خلقك فمنك وحدك لا شریك لك فلك الحمد ولك الشکر" میں اسی جذبہ شکر گزاری کا اظہار ہے، جس کی وجہ سے یادِ الٰہی کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ رب ومولیٰ سے شیفتگی وگرویدگی بہت بڑھ جاتی ہے۔ اس کی ہر دوستی ودشمنی، منع وعطاء اللہ جل شانہٗ ہی کی محبت میں ہوتی ہے۔ عمل میں یہ حسن وخوبی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ "ان احب الاعمال الی اللہ تعالی الحب فی الله والبغض فی الله" (احمد وابوداؤد) ترجمہ: (اللہ کے نزدیک تمام اعمال میں سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ ہی کے لئے محبت اور اللہ ہی کے لئے (بغض) دشمنی کرنا ہے۔) تکمیلِ ایمان کا یہی مقام ہے۔ "من احب لله والبغض لله واعطی لله و منع لله فقد استکمل الایمان" (ترمذی، ابوداؤد) ترجمہ: (جو اللہ ہی کے لئے محبت کرے اور اللہ ہی کے لئے دشمنی کرے اور اللہ ہی کے لئے دے اور اللہ ہی کے لئے رُکے۔ بے شک اس نے اپنے ایمان کو مکمل کرلیا۔) یہ محبت بھی کتاب وسنت ہی کے تحت ہوتی ہے۔ شریعت کا وقار ایسی ہی محبت سے قائم رہتا ہے۔ یہ محبت گم صم کرنے والی محبت نہیں ہوتی بلکہ حق کی حفاظت، حق کی اشاعت وتبلیغ میں تن من دھن کی بازی لگادینے والی محبت، کتاب وسنت کی اتباع واطاعت کے شوق میں ہر سبّ وشتم اور لعن وطعن بطیبِ خاطر گوارا کرنے والی محبت، راہِ حق میں ہر تلخی کو شیرینی، ہر زحمت کو رحمت، ہر تکلیف کو راحت سمجھنے والی محبت، باطل کے ہنگاموں میں حق کو حق، باطل کو باطل کہنے کا عزم وحوصلہ پیدا کرنے والی محبت، اللہ اور رسول کی خوشنودی کو تمام دنیا کی خوشنودی پر مقدم اور بہرحال وبہرصورت اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کو پیشِ نظر رکھنے والی محبت، مرضیِ رب کو اپنی ذات اور اپنے دائرہ اثر میں نافذ کرنے والی محبت، چونکہ صدیق خیر وخوبی کا حریص ہوتا ہے اور تمام خیر وخوبی کے جامع اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہیں "لہ الاسماء الحسنی" وہی مانگنے والے کو خیر وخوبی عطا کرتے ہیں۔ اس لئے صدیق کو اللہ جل شانہٗ سے گہری محبت ہوتی ہے۔ عربی زبان میں گہرے دوست کو صدیق کہتے ہیں۔

مقامِ قرب واحسان کے بندے پر یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ مجھ میں جہل ہی جہل ہے، شر ہی شر ہے، اپنی کسی نیکی کو وہ نقص وخامی سے پاک نہیں سمجھتا۔ سجدہ پہ سجدہ کرتا رہتا ہے اور عرض کرتا ہے ایک سجدہ بھی تیری شان کے شایاں نہ ہوا جس کی وجہ سے ندامت وخشیتِ الٰہی اس پر غالب رہتی ہے۔ ابوبکر صدیقؓ سے بڑھ کرامت میں کون صدیق ہوگا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں کہ نماز میں پڑھنے کی کوئی دعا سکھلائیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا سکھلائی اس میں اپنے ذاتی شر وجہل ہی کا ادراک ہے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت ورحمت کی طلب ہے۔ "اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الاذنوب الا انت فاغفرلی مغفرة من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحیم" ترجمہ: (اے میرے اللہ میں نے اپنے نفس پر بڑی زیادتیاں کی ہیں اور گناہوں کو تیرے سوا کوئی نہیں بخشتا پس تو ہی مجھ کو بخش دے۔ مغفرت (بخشنا) تیرے ہی اختیار میں ہے۔ بے شک تو ہی غفور رحیم ہے۔) امت کے سب سے بڑے صدیق کی یہ دعا مقام صدیقیت کے جذبات اور احساسات کا پتہ دے رہی ہے۔ اس میں حضورِ قلبی بھی ہے۔ (انت) انتہائی ندامت کے ساتھ اعترافِ قصور بھی ہے اور صرف رحمت ومغفرت کی تمنّا کا والہانہ ومؤدّبانہ اظہار وطلب ہے۔

(ماخوذ: رہنمائے فطرت، ص:۱۵۲-۱۵۸)

ڈاکٹر سیّد اسرار الحق سبیلی۔حیدر آباد

شبِ قدر: عبادت کی رات

شبِ قدر اصلاً عبادت کی رات ہے۔اس رات کی قدر دانی یہی ہے کہ اس رات کا ایک ایک لمحہ عبادت میں گزارا جائے۔امتِ محمد یہ کو یہ رات اس لئے عنایت کی گئی ہے کہ اس رات میں عبادت کر کے یہ امت ایک ہزار رات کی عبادت کا ثواب حاصل کرلے۔چنان چہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا۔آپ کو معلوم ہے کہ شبِ قدر کیا ہے؟ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔(سورۃ القدر:۱۔۳)

اکثر مفسّرین کا خیال ہے کہ شبِ قدر کو ہزار مہینوں سے بہتر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس رات کی عبادت ہزار مہینے (۸۳رسال چار مہینے) کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔(تفسیر قرطبی:۸۹/۲۰،تفسیر ابن کثیر:۵۳۳/۴)

حافظ ابنِ جریر طبریؒ(م:۳۱۰ھ) نے امام مجاہدؒ (م:۱۰۰ھ) سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک بزرگ کا تذکرہ کیا جو ایک ہزار مہینے تک پوری رات تہجّد پڑھتا اور پورے دن دشمنوں سے جہاد کرتا رہا۔ مسلمانوں کو اس سے بہت تعجّب ہوا،تو یہ آیتیں نازل ہوئیں۔(تفسیر الطبری:۱۲/۱۶۷،جزء:۳۰)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو پچھلی امتوں کی عمریں دکھائی گئیں،آپ کو اپنی امت کی عمریں کم معلوم ہوئیں ،کہ پچھلی امتیں تو لمبی عمر کی بنا پر جتنا عمل کر چکی ہیں ،میری امت کیسے کر سکتی ہے،تو اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ’’شبِ قدر‘‘ سے نوازا(مؤطا امام مالک)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی امّید کے ساتھ شبِ قدر میں نماز پڑھی،تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔(مسلم)شبِ قدر چوں کہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہے،اس لئے آپ ﷺ ہزار رات کی عبادت کا ثواب پانے کی خاطر آخری عمر تک آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے رہے۔(بخاری ومسلم)اور آخری عشرہ میں جس قدر عبادت کا اہتمام فرماتے،اتنا دوسرے عشروں میں اہتمام نہیں فرماتے۔(مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا بیان فرماتی ہیں: جب آخری عشرہ آتا،تو آپ ﷺ (عبادت کے لئے) کمر بستہ ہو جاتے، راتوں کو خود جاگتے ،اور اہل وعیال کو بیدار کرتے۔(بخاری و مسلم)اس رات کو نماز پڑھنے کے علاوہ دعاؤں کا بھی اہتمام کرنا چاہئے،کیوں کہ دعا بھی عبادت ہے،بلکہ’’عبادت کا مغز ہے۔‘‘(ترمذی)

سیّدہ عائشہؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ!اگر مجھے کسی رات کے بارے میں معلوم ہوجائے کہ یہ لیلۃ القدر ہے،تو میں اس رات کیا دعا مانگوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دعا کرنا:**اللّٰھمّ انّك عفوٌّ، تحب العفوَ ، فاعف عنّی**، یعنی اے اللہ! آپ معاف کرنے والے ہیں،معافی کو پسند کرنے والے ہیں، مجھے معاف کر دیجئے۔(رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ) یہ بہت جامع اور مختصر دعا ہے،اور تمام عبادات کا گویا حاصلِ مقصود ہے۔

من نہ گویم کہ بطاعتم بپذیر قلمِ عفوت بر گناہم کش

(میں نہیں کہتا کہ میری اطاعت گزاری قبول فرمایئے، صرف ہمارے گناہوں پر معافی کا قلم پھیر دیجئے۔)

لہٰذا اس رات میں نماز، ذکر، درودِ شریف اور دعاؤں کا خاص اہتمام کرنا چاہئے۔ اس کا کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے دینا چاہئے۔ بہتر تو یہ ہے کہ اس جیسی راتوں میں گھروں میں انفرادی طور پر عبادت کا اہتمام کیا جائے، کیوں کہ آپؐ سنّت اور نفل نمازیں زیادہ تر اپنے گھر میں ہی پڑھتے، اور جماعت سے فرض نماز پڑھانے کے لئے مسجد تشریف لاتے۔ آپؐ نے فرمایا: اپنے گھروں میں بھی تم لوگ کچھ نمازیں پڑھا کرو، اس کو قبرستان نہ بنا دو۔ (بخاری و مسلم) کیوں کہ قبرستان میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ آپؐ نے فرمایا: سوائے قبرستان اور حمّام کے پوری زمین سجدہ گاہ ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، دارمی)

ایک روایت میں آپؐ نے فرمایا: جب تم لوگ مسجد میں جماعت سے فارغ ہو جاؤ تو کچھ نمازیں گھر میں بھی ادا کرو، نماز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس گھر میں خیر نازل کریں گے۔ (مسلم)

آپؐ نے اس رات کی برکات سے محروم رہنے والوں کے بارے میں فرمایا: اس مہینہ میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ جو اس سے محروم رہ گیا وہ تمام خیر سے محروم رہ گیا۔ اس رات کی خیر و برکت سے وہی لوگ محروم رہتے ہیں جو واقعی محروم اور بے توفیق ہیں۔ (سنن ابن ماجہ)

آج کل بہت سے نوجوان بچے ان راتوں میں مسجدوں سے نکل کر سڑکوں اور ہوٹلوں کو آباد کرتے ہیں بعض شریر بچے دکانوں اور گلیوں میں لگے بجلی کے بلبوں کو توڑ کر شبِ قدر کا مذاق بناتے ہیں۔ یہ سخت گناہ میں ملوّث ہو کر اسلام اور مسلمانوں کو رسوا کرتے ہیں۔ والدین کی ذمّہ داری ہے کہ وہ ان راتوں میں بھی اپنے بچوں کی نگرانی رکھیں، اور اپنے ساتھ رکھ کر ان سے عبادت کرائیں۔

بہت سے حضرات ان راتوں میں نفل، تہجد اور صلاۃ التسبیح وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں، حالاں کہ ان کی کئی سالوں کی فرض نمازیں ذمہ میں باقی رہتی ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی کے سر پر دس لاکھ کا بوجھ ہو، اور وہ قرض کو ادا نہ کر کے دوسرے غریبوں پر ہزاروں روپے خرچ کر رہا ہو۔ اس لئے ایسے لوگوں کو چاہئے کہ ان کو جب بھی عبادت کا موقع ملے، پہلے فرض نمازوں کی قضا پڑھیں۔ جب ساری قضا نمازیں پڑھ لی جائیں اور کوئی بھی فرض یا واجب (جیسے وتر) نمازیں ذمّہ میں باقی نہ ہوں تو نوافل کا اہتمام کریں۔ اس طرح یہ رات عبادت میں گزر جائے گی اور ذمّہ سے فرض نمازوں کا قرض بھی اتر جائے گا۔ وباللہ التوفیق۔

تجمل تاج فاطمہ۔ حیدرآباد

عیدمبارک

کہہ دیں وہ محبت سے اگر عید مبارک
لب سے پہلے کہے گی نظر عید مبارک

دل کے زخم ہیں ایک طرف اور عید بھی
چاہے حالات جو بھی ہو مگر عید مبارک

اے کاش اس عید کو ہو ایسا کرشما
اس بار گونج اٹھے میرا گھر عید مبارک

ہو جائے سب رنج و غم دور اب سب کے
جو کہہ دے گلے مل کے اگر عید مبارک

ہوتا نہیں لفظوں میں بیاں حال دل کا
جب ماں کہیں گلے مل کر تاجؔ عید مبارک

ڈاکٹر مسیح الزماں انصاری۔شعبۂ اُردو/فارسی، گجرات یونیورسٹی، احمد آباد(گجرات)

شمس الرحمٰن فاروقی بحیثیت نقاد

(کلاسیکی متون کے حوالے سے)

تخلیق وتنقید ایک دوسرے سے شیر وشکر کی مانند وابستہ ہیں۔ان دونوں کو اگر ایک دوسرے سے جدا کیا جائے تو فن پارے کا حسن مجروح ہوسکتا ہے۔تنقید کا فن اردو ادب میں مغربی سمت سے داخل ہوا ہے لیکن اس سے قطعاً یہ مراد نہیں لیا جاسکتا کہ اردو زبان وادب میں تنقیدی شعور کا فقدان تھا۔ بلکہ یہ فن شعوری اور فطری طور پر اردو ادب میں موجود تھا۔جس کی مثال ہمیں مشاعروں میں دیکھنے کو ملتی تھی ۔ جہاں اشعار کے زبان وبیان پر تبصرات اور بحث ومباحثہ کیا جاتا تھا۔اچھے شعر پر شاعر کو داد وتحسین سے نوازا جاتا تھا،وہی غیر موزوں اشعار پر انھیں ہجو کا نشانہ بھی بنایا جاتا تھا۔گویا یہ تنقید ہی تھی جو اچھے اور برے فن پاروں یا اشعار میں امتیاز کرتی تھی اور عوام بھی اس سے محظوظ ہوتے تھے۔

ابتدائی دور میں اردو ادب میں ملاّ اسداللہ وجہی کے عہد سے حسرت موہانی کے دور تک،شاعری کے علاوہ تجربہ کار اور پختہ شاعروں کی شخصیت میں ناقدانہ صلاحیتوں کا جوہر بھی پایا جاتا تھا۔اس کے علاوہ متعدد تصانیف میں موجود تقریظ ،دیباچوں اور تبصرات کے ساتھ بیاض اور مکاتیب وغیرہ کا جو بیش بہا ذخیرہ منظر عام پر آیا اس کے حسن و قبح کو بھی ادبی کسوٹی پر پرکھا جاتا تھا۔یعنی تنقید کا جوہر ادب میں پہلے سے ہی موجود تھا اور پھر بہت سے ناقدین منظر عام پر آئے ،جن میں سر سید احمد خاں ،محمد حسین آزاد،الطاف حسین حالی ،شبلی نعمانی،مولوی عبدالحق ،نیاز فتحپوری مجنوں گورکھپوری، کے علاوہ آل احمد سرور،سید احتشام حسین ،کلیم الدین احمد،محمد حسن عسکری،گوپی چند نارنگ،شمس الرحمٰن فاروقی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی اردو زبان وادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کی پیدائش 30/ستمبر 1935ء کو اعظم گڑھ میں اور وفات 25/دسمبر 2020ء کو الٰہ آباد میں ہوئی ۔ شمس الرحمٰن فاروقی بیک وقت ایک محقق ،ناقد ،افسانہ نگار اور ناول نگار تھے۔مگر اردو ادب میں ان کی پہچان تنقید نگار کی حیثیت سے زیادہ ہوئی ۔شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے ادبی سفر کا آغاز ایک نقاد کی شکل میں کیا تھا۔انھوں نے اپنی تنقید کے حوالے سے جدید و کلاسیکی متون کو عوام سے روشناس کرایا۔فاروقی نے تقریباً چار دہائیوں تک رسالہ ’’شب خون ‘‘ کے مدیر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دی ہیں اور اعلیٰ پائے کا نقدی ادب بھی پیش کیا ہے۔ یہ ماہنامہ اپنی ایک الگ شناخت رکھتا ہے۔کیوں کہ اس کے ذریعے برصغیر ہند و پاک میں اعلیٰ اور جدید تخیلات کے منظر عام پر آنے کے علاوہ دیگر مما لک کے عمدہ ادب کے لیے ترقی کے باب وا ہوئے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے ویسے تو ادب میں عموماً ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے،لیکن انھیں شہرۂ آفاق پر پہنچانے والی ان کی تنقیدی کاوش ہے۔تنقیدی میدان میں شمس الرحمٰن فاروقی نے جدید و کلاسیکل متون پر خامہ فرسائی کی ہے۔کلاسیکی متون میں انھوں نے اٹھارویں اور انیسویں صدی کی اردو شاعری اور ادبی نظریات ،کلاسیکی عروض کے عملی پہلو،داستانوں اور پس نو آبادیاتی

اردو کا مطالعہ وغیرہ پر خصوصی توجہ مبذول کی ہے۔اس کے علاوہ انھوں نے اردو ادب کے سلسلے سے انگریزی زبان میں بھی خامہ فرسائی کی ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے کلاسیکی متون کے حوالے سے جن تصانیف کو قلم بند کیا ہے ،ان میں ''لفظ و معنی''، ''تفہیم غالب''،غالب پر چار تحریریں، ''شعرشورانگیز''(چار جلد)، ''انداز گفتگو کیا ہے''،''اردو غزل کے اہم موڑ''،داستان امیر حمزہ،''اردو کا ابتدائی زمانہ''،''ساحری ،شاہی،صاحب قرانی''، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

''لفظ و معنی'' یہ شمس الرحمٰن فاروقی کی بیش بہا قلمی کاوش ہے ۔جس کی اشاعت پہلی مرتبہ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو نیشنل آرٹ پرنٹرس الہ آباد سے منظر پر آئی ،جس کی ضخامت تقریباً ۲۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔موصوف نے اپنی اس تصنیف میں متعدد موضوعات پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔جن موضوعات کا اس تصنیف میں احاطہ کیا گیا ہے ،ان میں ادب ،شخصیت ،شعر کی ظاہری وداخلی ہیئت ،اردو وزن وآہنگ کے کچھ مسائل ،ترسیل کی ناکامی کا المیہ ،نئی شاعری ایک امتحان،مغرب میں جدیدیت کی روایت،ٹی۔ایس۔ایلیٹ،سید خواجہ میر درد،اور ہندوستان میں نئی غزل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔جس کا احاطہ کلاسیکی متون کے زمرے میں کیا جاسکتا ہے۔کیوں کہ ابتدائی حصے ''ادب پر چند مبتدیانہ باتیں'' کو قرطاس ابیض پر اتار کر ادب کے عنوان کے تعلق سے بحث کی ہے کہ ادب کا موضوع کیا ہوتا ہے۔اس مباحثے میں انھوں نے ادب کے تمام ادوار کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔جس میں کلاسیکی ادب سے لے کر جدیدیت تک کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرا پہلو جو''لفظ و معنی'' میں فاروقی نے پیش کیا ہے وہ ''شخصیت سے فرار ممکن نہیں'' باب ہے ۔اس میں انھوں نے شاعری اور شاعر کے متعلق بحث کی ہے۔موصوف کا نظریہ ہے کہ ایک اچھے شاعر کو غیر جانبدار اور کسی مخصوص نظریہ کا حامل نہیں ہونا چاہیے ۔اسی بنیاد پر ایک اچھی تخیلاتی شاعری وجود میں آسکتی ہے۔راقم السطور کے نزدیک موصوف اس نکات کو بیان کرتے ہوئے تمام تحریکات سے متاثرہ کلام کی تردید بھی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اس ضمن میں موصوف نے غالب اور میر کا تذکرہ کرتے ہوئے میر کے کچھ اشعار بھی پیش کیے ہیں، جو کلاسیکل متون کے زمرے میں آتے ہیں۔ان میں سے ایک شعر بطور ملاحظہ کیجئے۔۔۔

''سو ظلم اٹھائے تو کبھی دور سے دیکھا
ہرگز نہ ہوا یہ کبھی پاس بلائے'' [1]

[1] میر ۔مشمولہ لفظ و معنی۔شمس الرحمٰن فاروقی۔ص ۳۸۔مطبوعہ ۱۹۶۸ء۔نیشنل آرٹ پرنٹرس الہ آباد۔

مندرجہ بالاشعر کے علاوہ فاروقی نے اس موضوع میں میر کے اور بھی اشعار پیش کیے گئے ہیں۔تیسرا باب اس کتاب میں انھوں نے ''شعر کی ظاہری ہیئت'' کو قائم کیا ہے۔جس میں یوروپی شاعری کے ساتھ ہندوستانی شعراء کا تذکرہ کیا ہے۔جس میں انھوں نے میر،داغ،حسرت موہانی وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اس پہلو پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ ہندوستانی شاعری میں یورپی شاعری کی طرح نئی جہت اور نئی ہیئت کا اضافہ نہیں ہورہا ہے۔

اس کے بعد''لفظ و معنی'' میں''اردو اوزان وآہنگ کے کچھ مسائل'' سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔جس میں لفظ و شعر کے اوازان وآہنگ ریاضی کے اعداد وشمار کے محاسبہ کے مطابق استعمال کر کے شعر ومصرعے اور اوزان کو صحیح کرنے کا طریقہ پیش کیا گیا ہے۔اس باب میں شعر اور مصرعے کے وزن نیز ساقط الوزن ہونے کے بارے میں معلومات پیش کی ہے۔

مذکورالذکر کتاب میں مصنف نے جتنے بھی عناوین قائم کیے ہیں ان میں کہیں نہ کہیں انھیں نکات کو اٹھانے کی کوشش کی ہے جن کا تعلق کلاسیکی متون سے براہ راست نظر آتا ہے۔

''تفہیم غالب'' شمس الرحمٰن فاروقی کی ایک معروف

تصنیف ہے ،جس میں غالبؔ کے جدید اشعار کے ساتھ قدیم اشعار کی شرح پیش کی گئی ہے۔اس کتاب میں شمس الرحمٰن فاروقی نے تقریباً ۱۳۸ر اشعار کا احاطہ کیا ہے جن میں قدیم اشعار کی تعداد غالباً کثیر ہیں۔ یہ کام موصوف نے تقریباً ۲۳ر اپریل ۱۹۶۸ءسے رسالہ ''شب خون'' میں جاری کر دیا تھا اور ہر شمارے میں غالبؔ کے ایک شعر کو پیش کر کے اس کی شرح بھی پیش کی جاتی تھی۔مگر فاروقی نے ان اشعار کی شرح اس طرح پیش کی ہے جس کی جانب پہلے شارحین کی عدم توجہی رہی ہے۔فاروقی کا یہ نظریہ بھی ہے کہ وہ مشرقی اشعار جن پر قدیم شعراء نے زیادہ توجہ صرف نہ کی ہو ان کو قابل احترام تصور کر کے منظر عام پر لانا چاہیے۔جس کی وضاحت ان کے اس قول سے ہوتی ہے۔

''میرا معاملہ یہ ہے کہ میں مغربی ادب سے واقف ہوں لیکن اس سے مرعوب نہیں ہوں۔لہذا غالب کے بارے میں میرا یہ رویّہ پرانے شرّاح کے رویّے سے مختلف ہے۔دوسری بات یہ کہ میں مشرقی شعریات ،یعنی وہ شعریات جس کی ہمارے کلاسیکی شعرا نے شعوری یا غیر شعوری طور پر پابندی کی ہے ،وہ میری نظر میں بہت محترم اور مستحسن ہیں''۔ ۲

۲ تفہیم غالب۔شمس الرحمٰن فاروقی۔ص۱۵۔سن اشاعت ۱۹۸۹ء۔ناشر غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی۔

مندرجہ بالا قول سے یہ بات مکمل واضح ہو جاتی ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی کلاسیکی اقدار،شعریات ،اور متون کی نہ صرف قدر کرتے ہیں ، بلکہ وہ انھیں قابل احترام تصور کر کے ان کی قبیح کو دور کرتے ہوئے انھیں محفوظ بھی کرنا چاہتے ہیں۔تفہیم غالبؔ تصنیف اس کی ایک بانگی (کسی چیز کی ابتدائی شکل دکھانا) محسوس ہوتی ہے۔

''شعر شور انگیز'' شمس الرحمٰن فاروقی کی ایک شاہکار تصنیف ہے۔جو کہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔جس میں انھوں نے میرؔ کے کلام کو نہ صرف معنی و مطالب کے انداز میں پیش کیا ہے، بلکہ اس میں قاری کے لیے ایک جانچ پرکھ کے انداز میں ناقدانہ حیثیت بھی قائم کی ہے۔جس کو قدیم اور روایتی کلام کی ہیئت شعری کا تعین کہا جا سکتا ہے،اور اس کو قابل تعریف سعی بھی کہا جا سکتا ہے۔

غزلیات میرؔ کی وضاحت میں مشرقی شعریات ،اور گاہ بگاہ اسلامی تصورات و نظریات کے ساتھ جس طرح یوروپی تخیلات کو پیش کیا گیا ہے اس سے شعر فہمی کا ایک جدید در ضرور کھلتا ہوا نظر آتا ہے۔فاروقی نے میرؔ کی زندگی پر اثر انداز یاسیت اور ناامیدی کے آنچل کو برطرف کرتے ہوئے ،ان کی شوخی و تیز طراری کے ساتھ ان کی حیات کی لطافت و حسن کاری کے بھی جوہر پیش کیے ہیں۔اس طرح رنج و غم کے دائرے سے باہر ہو کر میرؔ نے ''نئے نئے مضامین و تخیلات'' کے نت نئے انداز میں جوہر دکھلائے۔شمس الرحمٰن فاروقی کی تنقیدی بصیرت پر'' نثار احمد فاروقی''یوں رقم طراز ہیں۔

''میر کے شعر کی طرح (شمس الرحمٰن) فاروقی کی تنقید میں بھی شور انگیزی ہے''۔ ۳

۳ سوالات کے آئینے میں ''شعر شور انگیز''۔ سلمان عبدالصمد۔جنوری۔۲۰۲۱۔اشتراک نیا قلم نیا سویرا۔اشتراک.کام سے ماخوذ۔

اس جملے سے یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ ''شعر شور انگیز'' کی قرأت کرتے وقت ایسی کائنات کی سیر کرنے کو ملتی ہے جس میں روشِ نقد کے متعلق متعدد مسائل ذہن پر نقش ہو جاتے ہیں۔ جس سے شرح و نقد کی فصل میں تیز فہمی اور نکتہ سنجی کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے۔اس امر سے قاری کو بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کو ملتا ہے۔

شعر شور انگیز کے مضمون ''خدائے سخن میرؔ کہ غالبؔ'' کے تحت متعدد معروف مفروضوں پر منطقی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ یہ ایسا باب ہے،جس میں میرؔ کی ہمہ گیر شخصیت،فصاحت و بلاغت اور ان کے کلام کے مختلف نمونے سامنے آتے ہیں اور ''خدائے سخن'' کے ڈانڈوں کی جانب ذہن مبذول ہونے لگتا ہے۔خلاصۂ کلام

یہ کہ میرؔ نے اپنی قلمی کاوش میں قصیدہ، غزل، مرثیہ، مثنوی، رباعی شہر آشوب، واسوخت، کے علاوہ ہجویات جیسی اصناف پر بھی سخن طرازی کی ہے۔اس کے علاوہ میرؔ و غالبؔ کے تخیلات میں بھی زمین و آسمان کا فرق محسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ غالبؔ کے تخیلات میں بلندی اور باریکی کے جوہر نظر آتے ہیں، جب کہ میرؔ تصورات میں عاجزی اور وسعت پائی جاتی ہے۔اس لیے ''خدائے سخن'' جیسا اعزازی الفاظ میرؔ کی ہی شایان شان ہے۔

''اردو غزل کے اہم موڑ'' اس کتاب میں موصوف نے اردو غزل کے اہم نکات کو پیش کیا ہے۔جس میں خاص طور پر زمانی اعتبار سے اہم اور ضروری مطالبوں کے پیش نظر غزلیہ شاعری میں استعمال ہونے والی ابہام گوئی کو قاری کے سامنے جدید تجربات کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ فاروقی نے اس تصنیف میں متعدد جگہوں پر اردو ادب کے بلند پایہ شعراء کے حوالے سے ایسے انکشافات کیے ہیں جو قاری کو حیرت و استعجاب کی وادیوں تک لے جاتے ہیں۔ ''اردو غزل کے اہم موڑ'' کی قرأت کرنے کے بعد قاری کے ذہنی دریچوں میں غور و پرداخت کی نئی روشنی کا داخلہ ہونے لگتا ہے، اور پہلے سے طے شدہ مفروضات کی نظم و ترتیب کو جدید فکر کے زاویے میں ڈھال کر پیش کرنے کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔

مذکور الذکر قلمی کاوش میں شمس الرحمن فاروقی نے غزلیہ شاعری سے متعلق جن موضوعات کا احاطہ کیا ہے ان میں ''ابہام، رعایت، اور مناسبت'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔مطلب یہ ہے کہ ان تمام موضوعات کو اردو کی غزلیہ شاعری کے اندر ''صنائع'' میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ زمانی اعتبار سے ان کی اہمیت وافادیت میں ترمیم و اضافہ ہوتا رہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کسی دور میں انھیں شاعری کے ضروری لیے تصور کیا گیا، اور کبھی انھیں سرے سے ہی خارج کر دیا گیا۔لیکن پھر بھی ہر عہد میں اردو غزلیہ شاعری میں ان کا بول بالا رہا ہے، اور ایسے معدودے چند شعراء ہونگے جنھوں نے ان کو برتنے سے اجتناب کیا ہوگا۔

مولانا الطاف حسین حالیؔ ایسی شخصیت ہیں جنھوں نے پہلے پہل اس موضوع کو ''مقدمہ شعر و شاعری'' میں قلم بند کیا۔حالیؔ کی یہ پہل اس عہد کے اعتبار سے لائق ستائش کارنامہ ہے۔لیکن یہاں پریشانی یہ سامنے آتی ہے کہ حالیؔ اس موضوع کے ساتھ مکمل عدل نہ کر سکے، اور اس کی تہہ تک پہنچے بنا ہی اس کا نفسیاتی مطالعہ پیش کرتے ہوئے، فقط چند پرانے ناقدین کے احوال پر ہی اکتفا کر گئے۔حالاں کہ حالی اپنی اس کاوش کے ذریعے اردو غزل کا مستقبل سنہرا بنانا چاہتے تھے مگر جس نظریے سے انھوں نے اس کا مطالعہ کیا ان کو اس میں صرف برائیاں ہی نظر آئیں۔

شمس الرحمن فاروقی کی تصنیفات میں بھی اس طرح کی کیفیت نظر سے گذرتی ہیں جس کے مطالعے سے قاری حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔یعنی وہ بھی حالیؔ کی طرح اس دور کو بھی ابہام گوئی کا زمانہ تصور کرتے ہیں جس عہد میں غالبؔ، سودا، اور انیسؔ کا طوطی بول رہا تھا۔ فاروقی کی قلمی کاوش سے قاری کو حیرت تو ضرور ہوتی ہے مگر وہ اس کو مدلل ثبوت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔جس کی وجہ سے دوران مطالعہ قاری استعجاب کی وادیوں سے نکل فکر و تدبر کی راہوں میں گم ہو جاتا ہے۔

''داستان امیر حمزہ''، یہ بہت ہی معروف کلاسیکل داستان ہے۔جس کا مطالعہ لوگ صدیوں سے کرتے چلے آرہے ہیں۔اس داستان کے متعلق بہت سے قلم کاروں نے اپنی آراء قرطاس ابیض پر اتاری ہونگی، اور قارئین بھی ان سے یقیناً محظوظ ہوئے ہوں گے۔ چونکہ شمس الرحمن فاروقی کے ادبی کارناموں کا اصل میدان داستان اور افسانہ رہا ہے، اس لیے جب انھوں نے داستان امیر حمزہ پر ناقدانہ کام شروع کیا تو سب سے پہلے اس کتاب کے تقریباً پچاس نسخوں کا عمیق مطالعہ کیا، بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ ایک ایک حروف کو انھوں بغور پڑھا تو مضائقہ نہیں ہوگا۔ اس کے بعد فاروقی کی یہ معروف تصنیف ''داستان امیر حمزہ: زبانی بیانیہ، بیان کنندہ، اور سامعین'' کے نام

سے ۲۶ رفروری ۱۹۹۸ء کو منظر عام پر آئی۔

اس کتاب میں جو ابواب قائم کیے گئے ہیں ان میں تعارفی تقریر، استقبالیہ، زبانی بیانیہ، بیان کنندہ، اور سامعین، وغیرہ شامل ہیں۔ اس میں پہلا مضمون جو کہ ''تعارفی تقریر'' کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے، اس کو ڈاکٹر امیر عارفی پروفیسر وصدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی نے پیش کیا تھا، جس میں دیگر پروفیسر حضرات کے علاوہ شمس الرحمٰن فاروقی کی شخصیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس مضمون میں فاروقی کے ترقی پسند تحریک سے اجتناب اور جدید طرز فکر کی راہ کو ہموار کرنے کا تذکرہ بڑے وثوق کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں فاروقی کی اور بھی کثیر الجہت فکر و زاویہ کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ شمس الرحمٰن فاروقی کی ایک اور تصنیف جس کو ''ساحری، شاہی، اور صاحب قرانی: داستان امیر حمزہ کا مطالعہ'' جلد دوم ''علمی مباحث'' کے نام سے ''قومی کونسل برائے فروغ اردو'' نے ۲۰۰۶ء میں شائع کیا تھا، اس میں بھی شمس الرحمٰن فاروقی نے کئی نکات کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس میں دیباچہ اور اشاریہ کے علاوہ تقریباً چھ باب اور قائم کیے گئے ہیں، جن میں ''باب اول: کتنے دفتر، کتنی جلدیں؟'' ''باب دوم: ترتیب داستان''، ''باب سوم: داستان امیر حمزہ کے کتنے صفحے؟'' ''باب چہارم: تاریخ اشاعت، ترتیب و تصنیف داستان''، ''باب پنجم: ذکر داستان''، اور ''باب ششم: داستان کا افسانہ'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان تمام ابواب میں شمس الرحمٰن فاروقی نے داستان گوئی کی اہمیت و افادیت سے قاری کو آگاہ کیا ہے، اور داستان گوئی کی تدریجی اہمیت کے ساتھ اس کے دورِ تنزلی پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔

''اردو کا ابتدائی زمانہ'' شمس الرحمٰن فاروقی کی یہ تصنیف در اصل اولین عہد کے ایک مضمون کی شکل میں منظر عام پر آئیں، جو شکاگو یونیورسٹی کی پیش کش پر تحریر کیا گیا تھا۔ جس میں اردو زبان ادب کے ابتدائی دور مفصل گفتگو پیش کی گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۹۹ء میں منظر عام پر آئی، جو کہ اردو محققین کے لیے ایک بیش بہا سرمایا ثابت ہوئی۔ زیر بحث کتاب میں ادبی ثقافت کے ساتھ تاریخی زاویوں کو منظر عام پر لانے کوشش کی گئی ہے۔ جس میں اشاریہ اور حوالا جات کے علاوہ سات ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ باب اول میں ''تاریخ، عقیدہ، اور سیاست''، باب دوم میں ''تاریخ کی تعمیر نو، تہذیب کی تشکیل''، ''باب سوم میں ''شروعات، وقفے، قیاسات''، باب چہارم میں ''نظری تنقید، اور شعریات کا طلوع''، باب پنجم میں ''وقفے، اور پھر حقیقی آغاز، شمال میں''، باب ششم میں ''ولی نام کا ایک شخص''، اور باب ہفتم میں ''نئے زمانے، نئی ادبی تہذیب''، وغیرہ کو قلم بند کیا گیا ہے۔ اس مضمون یا کتاب کی اشاعت پذیر ہونے کے تعلق سے شمس الرحمٰن فاروقی کتاب کے دیباچے میں یوں نقل کرتے ہیں۔

''شکاگو یونیورسٹی میں National Endowment for Humanities نامی ادارے کے تعاون سے ایک وسیع و عریض منصوبہ کئی سال ہوئے بنا تھا۔ اس منصوبے کے تحت ہندوستان کی بڑی زبانوں کی ادبی تہذیب، ادبی اور ثقافتی تاریخ سے ان کے رشتوں، ان کے آپسی روابط، اور ادب کے بارے میں ان زبانوں میں رائج تصورات کے مطالعہ مقصود تھا کہ ہندوستان ہی نہیں مغرب میں بھی کوئی بسیط اور جامع کام اس موضوع پر نہیں ہوا ہے۔ قدیم وجدید ہندوستان میں ادب اور لسان اور اقتدار میں کس طرح کے رشتے وجود میں آئے؟ کوئی زبان ''ادبی'' زبان کس طرح اور کب بنتی ہے؟ کسی زبان میں ادب پیدا کرنے والوں کے مابین، اور ادب کو برتنے والوں کے مابین جو سلسلے قائم ہوتے ہیں، کیا ان کی نوعیت صرف طاقت پر بنتی ہے یا صرف بیع وشریٰ کے معاملات پر، یا کوئی

تہذیبی آدرش اور ثقافتی تعامل بھی اثر انداز ہوتا ہے؟''۔ ۷؎

۷؎ اردو کا ابتدائی زمانہ۔شمس الرحمٰن فاروقی۔ص۔۸۔مطبوعہ ۱۹۹۹ء۔۳۱۶مدینہ سٹی مال،عبداللہ ہارون روڈصدر کراچی۔

محولہ بالا عبارت سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ مذکور الذکر فن پارے میں فاروقی نے جو بحث ومباحثہ پیش کیا ہے اس سے اردو کے ابتدائی خدو خال اور اولین نقوش کے متعلق نسل جدید کے محققین و ناقدین کے علم میں جہاں اضافہ ہوگا وہی ان کو ایک کلاسیکی وقدیم تاریخی معلومات بھی حاصل ہوگی۔جس کی روشنی سے وہ تمام اہل علم و دانش مستفیض ہوکر نئی تحقیق وتنقید وتنقیدی راہوں میں مسلسل آگے بڑھتے رہیں گے۔

پیش کردہ مقالے میں یہ چند نکات جو راقم الحروف نے بڑی عرق ریزی اور جدو جہد کے ساتھ اخذ کر کے آپ کے سامنے پیش کیے ہیں ان سے یہ اندازہ لگانے میں شاید ہی کوئی دشواری پیش آئے کہ شمس الرحمٰن فاروقی نہ صرف جدید تنقیدی صلاحیت کے علمبردار تھے ، بلکہ ان کو کلاسیکی متون میں بھرپور تنقیدی بصیرت حاصل تھی۔

محدود اور متعین وقت میں بہت سے مواد کو سمیٹنا بڑا مشکل کام ہے لیکن پھر بھی جہاں تک راقم السطور سے ہوسکا مواد کو ربط اور تسلسل کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔لیکن اس کے باوجود چند صفحات میں فاروقی کے تنقیدی شعور کو بہت تفصیل سے ضابطِ تحریر میں لانا ایک مشکل امر ہے۔اس لئے ہنوز اس مقالے میں فاروقی کے بعض تنقیدی اسلوب پر تحریر کی تشنگی کا مجھے احساس ہے۔میں نے اپنی بساط اور فہم بھر جو ہوسکا اس مقالے کے توسط سے یہاں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔پھر بھی ممکن ہے ایسے بہت سے نکات ابھی باقی ہوں گے جہاں پر شاید فاروقی کی رسائی نہ ہوسکی ہو ،اور جن پر ابھی بھی بہت سا کام ہونا باقی ہے۔واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی کام مکمل اور حرفِ آخر نہیں ہوتا اور تحقیق کا باب ہمیشہ کھلا رہتا ہے اس لیے جدید محقق و ناقدین کی یہ ذمے داری بنتی ہے کہ ان کو تلاش کر کے ان پر تحقیق و تنقیدی آرا پیش کریں۔تاکہ اہل دانش کے علم وادب میں مزید اضافے کا باعث بن سکے۔

☆☆☆

رہبر پرتاپ گڑھی ۔اتر پردیش

غزل

بارہا کرتی ہوئی آئی جگالی دنیا
دل سے جب اپنے کبھی میں نے نکالی دنیا

اُنس و الفت سے بہت ہوگئی خالی دنیا
اب بسانی ہے مجھے ایک نرالی دنیا

مطمئن کیسے وہ ہوجائیں گے آخر خود سے
جن پہ غالب رہا کرتی ہے خیالی دنیا

اس کو قسمت کی خرابی ہی کہا جائے گا
جس نے اپنے دل وجاں میں ہے بسالی دنیا

اپنے اَسلاف کی سیرت سے مزیّن کر کے
کرنی رہبر! کو ہے اب اپنی مثالی دنیا

ڈاکٹر محمد اعظم ندوی۔ استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

وقف ترمیمی بل 2024:

شریعت پر ریاستی یلغار اور آئینی بقا کی جنگ

یہ بل محض قانون سازی نہیں، ایک ذہن سازی ہے، ایسا ذہن جو ریاست کو سماج پر بالادست، اکثریت کو اقلیت پر حاکم، اور زبردستی تھوپے گئے قانون کو انسانی ضمیر پر غالب دیکھنا چاہتا ہے، وقف ترمیمی بل 2024 دراصل آئینی روح کے خلاف ایک مسلسل مہم کا حصہ ہے، جو مذہبی آزادی کو خود ساختہ ضابطوں کی زنجیروں میں جکڑ کر، اقلیتوں کے تشخص کو بتدریج تحلیل کرنے کی گہری سازش کا حصہ ہے۔

وقف کا ادارہ محض املاک کا انتظام نہیں، ایک تہذیبی بیانیہ ہے، اس بیانیہ میں عبادت، خدمت اور تسلسل کے وہ عناصر شامل ہیں جو کسی قوم کے تمدنی شعور کو زندہ رکھتے ہیں، وقف کا تصور اس اعتراف پر مبنی ہے کہ کچھ مال ایسا ہے جو انسان کی ملکیت میں نہیں، بلکہ اس کی روحانی وابستگی میں ہوتا ہے، ریاست جب ایسے ادارہ پر اپنی گرفت مضبوط کرتی ہے تو وہ صرف زمین نہیں چھینتی، ایک روحانی رشتہ کو منقطع کر دیتی ہے۔

یہ تصور کوئی نیا نہیں، اسلامی تاریخ میں وقف کا ادارہ علم، فلاح، عدل، اور تمدن کی علامت رہا ہے، عباسیوں کے دور میں وقف کے ذریعہ کتب خانوں، ہسپتالوں، اور مسافر خانوں کا نظام قائم ہوا، سلطنت عثمانیہ میں ہزاروں تعلیمی ادارے، شفا خانے، اور عوامی فلاحی ادارے وقف کی بنیاد پر کھڑے تھے، قاہرہ، دمشق، بغداد اور استنبول کی گلیوں میں وقف کی خوشبو ہر تعلیمی اور تمدنی ادارہ سے آتی تھی، برطانیہ میں بھی چرچ املاک کے لیے الگ ادارے موجود ہیں، جن میں ریاستی مداخلت کا تصور تک نہیں، ہندوستان میں بھی وقف کا نظام مغلیہ دور سے ریاستی معاونت سے نہیں بلکہ عوامی اعتماد سے چلتا رہا ہے۔

حکومت برطانیہ کے دور میں وقف پر قانون سازی کی گئی، لیکن اس کی روح سے چھیڑ چھاڑ نہیں کی گئی، 1810 میں Bengal Regulation XIX اور دیگر ریاستوں میں بھی اسی جیسا قانون، اور پھر 1913 کا Mussalman Short title and Wakf Validating Act اس کی مثالیں ہیں، انگریزوں نے تجارتی مقاصد کے لیے ضرور متبادل راستے نکالے، لیکن شریعت کے بنیادی اصولوں کو قانون کی سطح پر چیلنج نہیں کیا، اس کے برعکس موجودہ ترمیمی بل میں براہِ راست شریعت کی روح پر وار کیا گیا ہے، جو کہ غیر معمولی تشویش کا باعث ہے۔

بل میں یہ کہا جا رہا ہے کہ حکومت کسی بھی متنازعہ جائیداد کی ملکیت کا فیصلہ کرے گی، یہ شق بذاتِ خود وقف کے اصولوں کو منسوخ کرتی ہے؛ کیوں کہ وقف شدہ مال کسی انسان یا ادارہ کی ملکیت نہیں ہوتا، بلکہ وہ 'حبس فی سبیل اللہ' ہوتا ہے، اسے متنازعہ قرار دے کر ریاستی تصرف میں دینا فقہی اصولوں کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

یہی پیغام تھا جو لوک سبھا کے ایوان میں گونجا جب ممبر پارلیمنٹ جناب اسد الدین اویسی صاحب نے، آل انڈیا مجلس

اتحاد المسلمین کے صدر کی حیثیت سے، بل کی کاپی پھاڑ کر اپنے غصہ کا اظہار کیا، اویسی نے اسے صرف ایک قانونی سقم نہیں، بلکہ اقلیتوں کی توہین قرار دیا، ان کے الفاظ میں یہ اقدام گاندھی جی کے جنوبی افریقہ میں احتجاج سے مشابہ ہے، اویسی صاحب کا یہ طریقہ جذباتی ضرور تھا، مگر اس کے پیچھے جو سچائی تھی، وہ ناقابلِ تردید ہے: یہ بل آئین کی روح کے خلاف تو ہے ہی، مسلمانوں کی مذہبی خودمختاری کے خلاف ایک باقاعدہ حملہ ہے۔

اب یہ بل راجیہ سبھا میں جائے گا، جہاں حکومت کو اپنی اکثریت کے بل پر اس کی منظوری کی امید ہے، اگرچہ اپوزیشن جماعتیں اس کی سخت مخالفت کر رہی ہیں، لیکن زمینی حقائق یہی ہیں کہ اب اس بل کو روکنے کے لیے عددی طاقت تو حاصل ہے نہیں، اس لیے ایک ہمہ گیر فکری مزاحمت کی ضرورت ہے۔

یہ بل درحقیقت ایک خاموش استیصال ہے، جس میں اقلیتوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اب ان کے دینی ورثہ پر بھی ان کی گرفت باقی نہیں رہی، وقف بورڈز کی خودمختاری چھیننا، ان کے انتظام میں سرکاری افسران کو دخیل کرنا، اور جائیدادوں کے استعمال کو حکومتی اجازت سے مشروط کرنا، دراصل مذہبی اداروں کو بیوروکریسی کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا ہے۔

قانون کی حکمرانی (Rule of Law) صرف ضابطوں کی بالادستی کا نام نہیں بلکہ اس اصول کا نام ہے کہ قانون سب پر یکساں ہو، اور وہ بنیادی حقوق کا محافظ ہو، لیکن جب قانون خود کسی خاص طبقہ کو کمزور کرنے کے لیے استعمال ہو تو وہ قانون نہیں رہتا، سیاسی ہتھیار بن جاتا ہے، یہی اس بل کی سب سے خطرناک جہت ہے۔

اکثریت پسندی (Majoritarianism) جب آئین کی شکل اختیار کر لے تو اقلیت صرف گنتی کا مسئلہ نہیں رہتی، وہ ایک تہذیبی سوال بن جاتی ہے، یہ بل اسی سوال کو مستقل بنا دینے کی کوشش ہے، اس کا پیغام صاف ہے: تمہاری شریعت، تمہارا نظم، اور تمہارا نظریہ سب کچھ اب ریاست کی اجازت کا محتاج ہے۔

عدالتوں میں اس بل کے خلاف موقف مضبوط بنیادوں پر قائم کیا جا سکتا ہے، سپریم کورٹ کے متعدد فیصلے — جیسے S.A. Syed v. State of Maharashtra (1966)، اور T.M.A. Pai Foundation v. State of Karnataka (2002) — اقلیتوں کو اپنے مذہبی اداروں کے انتظام کا مکمل اختیار تسلیم کرتے ہیں، آئین کے آرٹیکل 26 کے تحت ہر مذہبی گروہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مذہبی امور خود چلا سکے؛ لہٰذا ریاست کی مداخلت آئینی حدود سے متجاوز ہے۔

پالیسی کی سطح پر مسلمانوں کو عدالتوں کے راستہ ایک جامع، متبادل تجویز پیش کرنی چاہیے، مثلاً وقف بورڈز میں حساب وکتاب کا ایک آزاد، خودمختار آڈٹ نظام قائم کیا جائے، شریعت سے ہم آہنگ ایک نگران کونسل، جس میں معیاری ماہرینِ قانون، مفتیانِ کرام، اور مالیاتی ماہرین شامل ہوں، جو شفافیت اور دیانت داری کو یقینی بنائیں، حکومت اگر واقعی شفافیت کی خواہاں ہے تو اسے اقلیتوں کے مذہبی اداروں میں دخل دینے کے بجائے انہیں مؤثر ادارہ جاتی مدد فراہم کرنی چاہیے۔

یہ جدوجہد صرف علماء یا وکلاء کی ذمہ داری نہیں، پوری ملت کی اجتماعی ذمہ داری ہے، ہر وہ شخص جسے وقف کی حقیقت، امت کے مزاج، اور آئین کے وقار سے لگاؤ ہے، اسے اس مہم میں اپنا کردار ادا کرنا ہوگا، خاموشی اب جرم اور بے عملی اب گناہ سمجھی جائے گی

ہمیں شور سے نہیں، شعور سے لڑنا ہے، ہمیں فتووں سے نہیں، فہم سے مقابلہ کرنا ہے، وقف کا دفاع صرف فقہی نہیں، تمدنی فریضہ ہے، اور یہی فریضہ آج ہمیں آواز دے رہا ہے، اس کی پکار تاریخ میں درج ہوگی یا ہمارے سکوت سے دفن — یہ فیصلہ ہمارے عمل پر ہے۔

مفتی شکیل منصور القاسمی (مقیم حال امریکہ)

صدقہ فطر کی حقیقت، فضائل اور احکام و مسائل

(صدقہ فطر سے متعلق عاجز کی دوسری جامع تحریر؛ جو صدقہ فطر کے تمام ممکنہ جزئیات کو محیط و مستوعب ہے)

عید کے دن رمضان المبارک کے روزوں کے تسلسل کے خاتمے اور حسب سابق کھانے پینے کے نظام کے آغاز کی وجہ سے واجب ہونے والی زکات وصدقہ کو ''زکاۃ الفطر'' یا ''صدقۃ الفطر'' کہا جاتا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ''صدقہ فطر'' ''فطرۃ'' یعنی فطرت وخلقتِ انسانی سے ماخوذ ہے، جو نفس انسانی کو پاک بنانے اور نفس کے اعمال کو پاکیزہ بنانے کے لئے مشروع وواجب ہوا ہے۔

صدقہ فطر کب واجب ہوا؟

جس سال رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے یعنی ہجرت مدینہ کے دوسرے سال صدقہ فطر کا وجوب ہوا ہے۔

صدقہ فطر کیوں واجب ہوا؟

(زكاةُ الفطرِ طُهْرَةٌ للصائِمِ مِنَ اللغوِ والرفَثِ، و طُعْمَةٌ للمساكينِ). (سنن أبي داود:1609) صدقہ فطر روزہ داروں کی بے کار اور بے ہودہ باتوں سے پاکیزگی اور مساکین کو کھلانے یعنی مدد کی غرض سے (فرض) واجب کیا گیا ہے۔)

''قالوا: وفي إخراجها قبول الصوم، والنجاح، والفلاح، والنجاة من سكرات الموت، وعذاب القبر''. (طحطاوی علی مراقی الفلاح)

(علما نے فرمایا کہ صدقۂ فطر کی ادائیگی سے روزے قبول ہوتے ہیں اور مشکل آسان ہوتی ہے اور کامیابی ملتی ہے اور موت کی سختی اور قبر کے عذاب سے نجات حاصل ہوتی ہے)

مشکوۃ شریف کی شرح مرقاۃ المفاتیح میں مذکور ہے کہ:

''يقال: صدقة الفطرة وزكاة الفطر أو الفطرة، كأنها من الفطرة التي هي الخلقة، فوجوبها عليها تزكية للنفس أي تطهيراً لها وتنقية لعملها''. (مرقاۃ الفاتیح، 4/159)

(صدقہ فطر کو ''صدقۃ فطرۃ'' اور ''زکاۃ فطر'' یا ''زکاۃ فطرۃ'' بھی کہا جاتا ہے، گویا صدقۂ فطر اس فطرت سے تعلق رکھتا ہے جو کہ پیدائش ہے، لہٰذا صدقۂ فطر کا اس پر واجب ہونا نفس کو پاک کرنے کے لیے اور نفس کے عمل کو پاکیزہ بنانے کے لیے ہے)

صدقہ فطر کی اہمیت وفضیلت

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''صومُ شهرِ رمضانَ معلَّقٌ بين السَّماءِ والأرضِ ولا يُرفعُ إلَّا بزكاةِ الفطرِ'' (الترغیب والترہیب: 2/157)

(رمضان کے روزے آسمان اور زمین کے درمیان معلق (لٹکے) رہتے ہیں، جنہیں (اللہ کی طرف) صدقۂ فطر کے بغیر نہیں اٹھایا جاتا۔)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: ''فرض رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم زكاةَ الفطْرِ، وقال: أَغْنُوهُم في هذا اليوم.'' (تمام المنۃ: 388)

(اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کو فرض (یعنی واجب) قرار دیا اور فرمایا: ''غریبوں کو اس دن غنی کردو (یعنی ان کے ساتھ مالی معاونت کرو)

صدقۂ فطر کی ادائی صرف حکم شرع ہی نہیں؛ بلکہ اس کے جلو میں بے شمار دنیا وآخرت کے فوائد مضمر ہیں، اکثر انسان سے روزے میں بھول چوک یا کوئی خطا دانستہ یا نادانستہ طور پر سرزد ہوجاتی ہے، جس کی تلافی کا انتظام صدقہ فطر کردیتا ہے۔ اسی طرح وفقراء ومساکین جو نئے جوڑے اور کپڑے تو درکنار، اپنی دن بھر کی خوراک وغیرہ کا بھی انتظام نہیں کرسکتے، ان کے لئے خوراک وغیرہ کا انتظام بھی صدقہ فطر کے ذریعے ہوجاتا ہے اور وہ بھی کسی درجے میں عام مسلمانوں کے ساتھ عید کی خوشیوں میں شریک ہوجاتے ہیں۔ اس کے ذریعے انسان کے رزق میں برکت ہوتی ہے، مشکل آسان ہوتی ہے، کامیابی ملتی ہے، موت کی سختی دور ہوتی ہے اور قبر کی منزل آسان ہوجاتی ہے اور عذاب سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ گویا صدقہ فطر کی ادائی سے قبولیت روزہ کی راہ میں رکاوٹ سارے امور ختم ہوکر رہ جاتے ہیں۔

صدقہ فطر کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

مالکیہ کے یہاں صدقہ فطر سنت ہے، ان کے علاوہ باقی ائمہ ثلاثہ کے یہاں صدقہ فطر واجب ہے، مسلم شریف کی صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آزاد، غلام، مرد، عورت مسلمان پر صدقہ فطر واجب کیا ہے، کھجور اور جو سے ایک صاع:

أنّ رَسولَ اللهِ صَلّى اللّهُ عليه وَسَلّمَ فَرَضَ زَكَاةَ الفِطْرِ مِن رَمَضَانَ علَى النّاسِ، صَاعًا* مِن تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِن شَعِيرٍ، علَى كُلِّ حُرٍّ، أَوْ عَبْدٍ، ذَكَرٍ، أَوْ أُنْثَى، مِنَ المُسْلِمِينَ. (صحیح مسلم، عن عبداللہ بن عمر: 984، سنن النسائی، عن قیس بن سعد، الرقم: 2505، صحیح.)

کیا صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے یا زکاۃ کی طرح اس کے وجوب کا کوئی مالی نصاب بھی ہے؟

تمام ائمہ کے یہاں صدقۂ فطر کے وجوب کے لئے مالی نصاب یا استطاعت ضروری ہے۔ اب یہ استطاعت کتنی ہونی چاہئے؟ اس کی تحدید میں ان کے مابین اختلاف ہوا ہے۔ امام شعبی، عطاء، ابن سیرین، زہری، عبداللہ بن مبارک، امام مالک، امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک اگر کسی کے پاس (عید کے) ایک دن اور رات کی خوراک سے فاضل غلہ موجود ہو تو یہی استطاعت ہے اور اب اس کے لئے صدقہ فطر ادا کرنا ضروری ہے۔ مسند احمد کی ذیل کی ایک روایت سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں جس میں مالدار کے ساتھ غریب اور فقیر پر بھی صدقہ فطر کی بات آئی ہے:

عن أبي هريرةَ في زكاةِ الفطرِ على كلِ حرٍ وعبدٍ ذكرٍ أو أنثى صغيرٍ أو كبيرٍ فقيرٍ أو غني صاعٌ من تمرٍ أو نصفُ صاعٍ من قمحٍ: أخرجه أحمد (7724)، وعبدالرزاق (5761)، والطحاوی فی (شرح معانی الآثار)(3126)

یہ روایت موقوف ہے، البانی نے اسے ضعیف کہا ہے، علامہ بیہقی اور محشی ابن الترکمانی نے اسے مضطرب ثابت کیا ہے سنداً بھی اور متناً بھی! جس کی وجہ سے یہ روایت ناقابل استدلال واحتجاج ہے۔ جبکہ سیدنا الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بھی استطاعت کی مراد وہی لی ہے جو زکاۃ مالی میں مراد ہے. انہوں نے اُس شخص کیلئے صدقہ فطر ضروری قرار دیا ہے جس کے پاس زکوٰۃ نکالنے کا نصاب یعنی ساڑھے 52 تولے چاندی (یا اس کی موجودہ قیمت کے برابر رقم) موجود ہو؛ البتہ دو معمولی فرق یہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ زکاۃ کے نصاب میں مال نامی یعنی سونا چاندی روپے متعینہ مقدار میں رکھنے پر زکاۃ فرض ہوتی ہے اور مالی سال پہ سال گزرنے پر ادائی واجب ہوتی ہے؛ جبکہ یہاں مال نامی ضروری نہیں؛ بلکہ ساڑھے باون تولے چاندی (نصاب زکوٰۃ) کی مالیات سے زائد گھریلو سامان رکھنے والے مسلمان پر بھی صدقہ فطر واجب ہے، اور یہاں سال گزرنا بھی ضروری نہیں۔ عید کی صبح تک اتنی مالیت کا مالک ہوگیا تو صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ بس ان دو معمولی جزوی فرق کے سوا زکات اور صدقہ فطر کے نصاب میں حنفیہ کے یہاں کوئی فرق نہیں ہے۔ زکات کا نصاب ہی صدقہ فطر کا نصاب ہے، غیر صاحب نصاب یعنی فقیر پر

ہمارے یہاں صدقہ فطر واجب نہیں ہے (ہاں ادا کردے تو بہت ثواب ہے بلکہ اس کی ترغیب بھی آئی ہے) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صدقہ فطر کے وجوب کے لئے ''غنائے شرعی'' ہونا ضروری ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الزکات'' میں اسی نام سے باضابطہ ترجمۃ الباب قائم فرمایا ہے، جس میں صراحت ہے کہ صرف غنی پر ہی صدقہ فطر واجب ہے:

بَاب لَا صَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَمَنْ تَصَدَّقَ وَهُوَ مُحْتَاجٌ أَوْ أَهْلُهُ مُحْتَاجٌ أَوْ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَالدَّيْنُ أَحَقُّ أَنْ يُقْضَى مِنْ الصَّدَقَةِ وَالْعِتْقِ وَالْهِبَةِ وَهُوَ رَدٌّ عَلَيْهِ لَيْسَ لَهُ أَنْ يُتْلِفَ أَمْوَالَ النَّاسِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللَّهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعْرُوفًا بِالصَّبْرِ فَيُؤْثِرَ عَلَى نَفْسِهِ وَلَوْ كَانَ بِهِ خَصَاصَةٌ كَفِعْلِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ تَصَدَّقَ بِمَالِهِ وَكَذَلِكَ آثَرَ الْأَنْصَارُ الْمُهَاجِرِينَ وَنَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ إِضَاعَةِ الْمَالِ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُضَيِّعَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِعِلَّةِ الصَّدَقَةِ وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ أَنْخَلِعَ مِنْ مَالِي صَدَقَةً إِلَى اللَّهِ وَإِلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ فَإِنِّي أُمْسِكُ سَهْمِي الَّذِي بِخَيْبَرَ

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُاللَّهِ عَنْ يُونُسَ عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ (ص:346) (فتح الباری 3/345)

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: خيرُ الصَّدقةِ ما كانَ عَن ظَهرِ غنًى، وابدأ بِمَن تعولُ، واليدُ العليا خيرٌ منَ اليدِ السُّفلى قلتُ لأيُّوبَ: ما عَن ظَهرِ غنًى؟ قالَ: عَن فضلِ غِناكَ .مسند أحمد (الصفحة: 14/162)

بخاری کی صحیح اور مشہور حدیث ہے کہ صدقات واجبہ مالداروں سے لئے جائیں گے اور غریبوں پہ تقسیم کئے جائیں گے، غریبوں سے بھی لینے کا قائل ہونا اس صحیح و مشہور حدیث کی صریح خلاف ورزی ہے:

فإنْ هُمْ أطاعُوا لذلكَ، فأعْلِمْهُمْ أنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عليهم صَدَقَةً في أمْوالِهِمْ تُؤْخَذُ مِن أغْنِيائِهِمْ وتُرَدُّ علَى فُقَرائِهِمْ. (عن عبداللہ بن عباس، صحیح البخاری 1395)

ان روایات کی بنیاد پر ہمارے یہاں نصاب زکات رکھنے والے شخص پر ہی صدقہ فطر بھی واجب ہے . اگر ایک دن رات کے اخراجات رکھنے والے غربا پر بھی صدقہ فطر واجب کردیں جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا خیال ہے تو صدقہ فطر پھر لے گا کون؟ سب تو دینے ہی والے ہونگے، لینے والا کون ہوگا؟ جس روایت سے فقیر پر بھی صدقہ فطر کے وجوب کے لئے استدلال کیا گیا تھا علامہ بیہقی اور ابن الترکمانی نے اسے حدیث مضطرب ثابت کیا ہے:

"أما غنيكم فيزكيه الله وأما فقيركم فيرد الله عليه أكثر مما اعطى" اسی کو راوی سلیمان نے اپنی حدیث میں "غنى أو فقير" بڑھادیا:

صاعٌ مِن بُرٍّ أو قمحٍ على كلِّ اثنينِ؛ صغيرٍ أو كبيرٍ، حُرٍّ أو عَبدٍ، ذكرٍ أو أُنثى، أمَّا غَنيُّكم فيُزكِّيه اللهُ، وأمَّا فَقيرُكم فيرُدُّ اللهُ تعالى عليه أكثرَ ممَّا أَعطى. زاد سُلَيمانُ في حديثِه: غَنيٌّ أو فقيرٌ. التخريج: أخرجه أبوداود (1619) واللفظ له، وأحمد (23664). (ہدایہ 118/1۔۔ فتح القدیر 220/2، زیلعی 423/1، اعلاء السنن ج9 حدیث نمبر 2445، کتاب الزکات)

حدیث مضطرب قابل احتجاج و استناد نہیں ہوتی! اس لئے فقیر والی روایت کو ہم ترغیب پہ محمول کرتے ہیں وجوب پر نہیں! یعنی صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم صرف مال داروں کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ فقراء کو بھی صدقۂ فطر ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے

(ہاں! ان پر وجوب نہیں ہے) چناں چہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ”غنی بھی صدقۂ فطر ادا کرے اور فقیر بھی صدقہ دے“ پھر ان دونوں کے بارے میں فرمایا کہ: ”اللہ تعالیٰ اس مال دار کو تو صدقہ فطر ادا کرنے کی وجہ سے پاکیزہ بنا دیتا ہے اور فقیر (جو مالک نصاب نہ ہو) اس کو اس سے زیادہ عنایت فرماتا ہے، جتنا اس نے صدقہ فطر کے طور پر دیا ہے“: **أمّا غنيُّكم فيُزكّيه اللهُ، وأمّا فقيرُكم فيردُّ اللهُ تعالى عليه أكثرَ ممّا أعطى.** (سنن أبي داود: 1619) یہ بشارت اگرچہ مال دار کے لئے بھی ہے، مگر اس کو فقیر کے ساتھ اس لیے خاص فرمایا کہ اس کی ہمت افزائی ہو۔ (مظاہر حق جدید: 58/2)

صدقہ فطر کن چیزوں سے دے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پانچ چیزوں سے صدقہ فطر ادا کرتے تھے: **كُنّا نُخرِجُ زَكَاةَ الفِطْرِ صاعًا مِن طَعَامٍ، أَوْ صَاعًا مِن شَعِيرٍ، أَوْ صَاعًا مِن تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِن أَقِطٍ، أَوْ صَاعًا مِن زَبِيبٍ .عن أبي سعيد الخدري.** (صحیح البخاری: 1506) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور کے زمانے میں صدقہ فطر گیہوں، جو، کھجور، پنیر اور کشمش سے ایک صاع نکالتے تھے، تو یہ پانچ چیزیں ہوئیں! جن سے صدقہ فطر نکالا جاسکتا ہے، فقہاء حنفیہ کا خیال ہے کہ گیہوں یا اس کے آٹا سے نکالنا ہو تو نصف صاع اور دوسری چیزوں سے نکالنا ہو تو ایک صاع دینا چاہیے۔ نصف صاع کی مقدار ایک کلو پانچ سو چھہتر گرام چھ سو چالیس ملی گرام؛ جبکہ ایک صاع کی مقدار تین کلو ڈیڑھ سو گرام ہوتی ہے۔ صاحب حیثیت و وسعت اور مالداروں کی لئے بہتر یہ ہے کہ نصف صاع پہ تکیہ نہ کریں! آگے بڑھ کے ہر صنف میں ایک صاع یا اس کی قیمت صدقہ فطر میں ادا کریں تاکہ غریبوں کا بھلا ہو سکے۔ بذل المجہود میں ہے: **قوله صاعًا من كل شيء أي من الحنطة وغيرها لكان أحسن** (454/ 6.ط بیروت)

صدقہ فطر کا مصرف

جن لوگوں کو زکات دینا جائز ہے، انہی کو صدقہ فطر بھی دینا جائز ہے۔ متون حنفیہ میں صدقہ فطر محتاج ذمی کو دینے کی بات موجود ضرور ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے، لیکن قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اسے ناجائز سمجھتے ہیں، عدم جواز کا قول ہی مشائخ حنفیہ کے ہاں مفتی بہ رہا ہے ”بہ یفتی“ کما فی الدر۔ جہاں تک ذمی کی بات ہے تو فقہاء کہتے ہیں: ”اہلِ ذمہ“ سے مراد وہ غیر مسلم افراد ہیں جو کسی اسلامی ملک میں اس ملک کے قوانین کی پاسداری کا عہد کر کے وہاں سکونت اختیار کر لیں۔ اس تعریف کے روء سے ہندوستان جیسے ملک کے کفار ذمی نہیں ہوئے جب ذمی کا اطلاق ان پر درست نہیں تو صدقۂ فطر کے لئے ان کا استثناء بھی ثابت نہیں ہوگا، جب مشائخ حنفیہ کے یہاں امام ابو یوسف کا قول مفتی بہ رہا ہے تو مفتی بہ قول سے عدول کی کون سی سخت اضطراری حالت آن پڑی ہے؟ کہ کفار (نہ کہ ذمی) کے لئے صدقہ فطر دینا جائز قرار دیا جائے؛ لہٰذا راجح یہی ہے کہ زکوٰۃ، عشر اور دوسرے صدقاتِ واجبہ (صدقۂ فطر، نذر، کفارہ) بھی کسی کافر کو دینا جائز نہیں ہے؛ البتہ نفلی صدقات کافر کو دینے کی گنجائش ہے؛ لیکن کسی فقیر مسلمان کو دینا زیادہ بہتر ہے۔ الدر المختار-(2/ 351)

(ولا) تدفع (إلى ذمي) لحديث معاذ (وجاز) دفع (غيرها وغير العشر) والخراج (إليه) أي الذمي ولو واجبا كنذر وكفارة وفطرة خلافا للثاني وبقوله يفتي حاوي القدسي وأما الحربي ولو مستأمنا فجميع الصدقات لا تجوز له اتفاقا بحر عن الغاية وغيرها، لكن جزم الزيلعي بجواز التطوع له. حاشية ابن عابدين (رد المحتار)-(2/ 352)

(قوله: وبقوله يفتي) الذي في حاشية الخير الرملي عن الحاوي وبقوله نأخذ.

قلت: لكن كلام الهداية وغيرها يفيد ترجيح قولهما وعليه المتون (قوله: لكن جزم الزيلعي بجواز التطوع له) أي للمستأمن كما تفيده عبارة النهر)

کیا صدقۂ فطر میں اجناس کے بجائے قیمت اور نوٹ دئے جاسکتے ہیں؟

ہمارے اکابر میں حضرت مرشد و محقق تھانوی، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی اور مفتی محمد شفیع صاحب رحمہم اللہ جیسے اکابر کا میلان عدم جواز کی طرف تھا کیونکہ آپ کی نظر میں نوٹ کی حیثیت ثمن کی نہیں سند کی تھی (امداد الفتاویٰ: (5 / 2-6) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: 83 / 6)

جبکہ ہمارے استاذ اور مرشد و مربی، مرتب فتاوی دار العلوم حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی نور اللہ مرقدہ سابق مفتی دار العلوم دیوبند، صاحب احسن الفتاوی اور مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی اور دیگر اکابر مفتیوں کا خیال ہے کہ فقرا کی سہولت اور عموم نفع کے لئے اجناس کے بدلے نوٹ اور قیمت بھی صدقہ فطر میں ادا کی جاسکتی ہے، یہ حضرات نوٹ کو عرفی ثمن تصور کرتے ہیں (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، حاشیہ: 83 / 6، احسن الفتاویٰ: 266 / 4) (کفایت المفتی: 278 / 4)

صدقہ فطر کب ادا کرے؟

فطر یعنی کھانے پینے کی وجہ سے یہ صدقہ واجب ہوا ہے جیسا کہ نام سے بھی واضح ہے؛ اس لئے ہمارے یہاں بہتر یہ ہے عید الفطر کے دن نماز عید کے لئے جانے سے پہلے پہلے صدقۃ الفطر ادا کر دیا جائے، یہ افضل وقت ہے:

أنَّ رسولَ اللّٰہِ صلَّى اللّٰهُ عليهِ وسلَّمَ كانَ يأمرُ بإخراجِ الزَّكاةِ قبلَ الغدوِّ للصَّلاةِ يومَ الفطرِ. عن عبد الله عمر، صحيح (الترمذی: 677)

والمستحب ان يخرج الناس الفطرة يوم الفطر قبل الخروج الى المصلى. (ہدایۃ 211 / 1، تاتارخانیۃ زکریا 451 / 3، ہندیۃ 192 / 1، خانیۃ 232 / 1)

تاہم ثواب میں اضافے کے پیش نظر رمضان میں پیشگی ادا کرنے کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن رمضان المبارک سے قبل ادا کرنا مفتی بہ قول کے مطابق درست نہیں ہے:

والمختار إذا دخل شهر رمضان يجوز وقبله لا يجوز، وفي الظهيرية: وعليه الفتوىٰ. (تاتارخانیۃ زکریا 452 / 3)

اگر کسی وجہ سے قبل نماز عید ادا نہ کر سکے تو بعد عید بھی ادا کرنا ضروری ہے، تاخیر کی وجہ سے ذمے سے ساقط نہیں ہوجاتا ہے۔ جب بھی ادا کرے گا وہ ادا ہی کہلائے گا، اس کو قضا نہیں کہا جائے گا:

ولا تسقط صدقة الفطر بالتاخير وان طال وكان مؤدياً لا قاضياً. (مجمع الانہر 228 / 1، بدائع الصنائع 207 / 2، البحر الرائق زکریا 445 / 2)

صدقہ فطر کس کس کی طرف سے دینا واجب ہے؟

صدقہ فطر اپنی طرف سے اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بشرطیکہ وہ فقیر یعنی صاحب نصاب نہ ہو، اور خدمت گار خادم یا غلام کی طرف سے اگرچہ وہ کافر ہوں، واجب ہے۔ نابالغ اولاد اگر مالدار ہو تو ان کے مال سے ادا کرے اور اگر مالدار ہو تو ان کی طرف سے ادا کرنا والد پر واجب نہیں ہے، ہاں اگر احساناً ادا کر دے تو جائز ہے۔ عورت پر جب کہ وہ صاحب نصاب ہو تو صدقہ فطر اس پر خود واجب ہے، اگر شوہر ادا کرے گا تو احسان ہوگا اور ادا ہوجائے گا، عورت کا صدقہ اس کے باپ پر واجب نہیں ہے۔ عورت پر کسی اور کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں۔

صدقہ فطر کس طرح تقسیم کیا جائے؟

کم سے کم ایک آدمی کا صدقہ فطر ایک آدمی کو دینا چاہئے، ایک صدقہ دو محتاجوں پر تقسیم کر دینا بقول علامہ حصکفی جائز تو ہے؛ لیکن بہتر نہیں۔

ایک محتاج شخص کو ایک سے زیادہ راس کا صدقہ دیا جاسکتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے: أغنوهم عن طوافِ هذا اليومِ. عن عبدالله بن عمر. (السنن الکبری للبیہقی الصفحۃ: 175 / 4) یعنی فقراء کو اس دن مختلف دروازے جانے سے بچاؤ۔

صدقہ فطر کی اجتماعی وصولی؟

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب رقم فرماتے ہیں: صدقہ فطر کی وصولی کے لئے بہتر ہے کہ مختلف علاقوں میں اجتماعی نظام قائم کیا جائے، ضرورت مندوں کا سروے کرکے ان تک پہنچایا جائے، بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اوائل اسلام میں بھی ایسا نظم ہوا کرتا تھا، مؤطا امام محمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو تین دنوں پہلے وہ صدقہ فطر اس شخص کے پاس بھیج دیتے جو اس کو جمع کیا کرتے۔ ابن خزیمہ نے بھی نقل کیا ہے کہ جب عامل بیٹھتا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس صدقہ فطر جمع کرادیتے اور یہ عامل عید سے ایک دو دن قبل بیٹھتا، علامہ شامی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو صدقہ جمع کرنے پر مامور فرمادیا تھا، پس معلوم ہوا کہ خود امیر تو اس کے لیے اپنے عامل نہ بھیجے گا، لیکن لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنا فطرہ بیت المال میں یا کسی اور نظم کے تحت اجتماعی طور پر جمع کریں۔ (کتاب الفتاوی)

صدقہ فطر دوسرے شہر میں ادا کرنا؟

جس کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالنا ہو، وہ جہاں اور جس شہر میں ہو، وہیں صدقہ دینا بہتر ہے، اگر ایک شخص خود دور ہو، اور بال بچے گھر پر رہتے ہوں تو بچوں کا صدقہ وہاں ادا کرے جہاں وہ ہیں، اور اپنا صدقہ وہاں کے فقراء پر صرف کرے جہاں وہ خود مقیم ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت ایسی بھی منقول ہے کہ وہ قرابت داروں تک صدقہ پہنچانے کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر صدقہ کی منتقلی میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ (بدائع الصنائع ۲/ ۵۷)

صدقہ فطر کی ادائی میں کس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہو؟

صدقہ فطر کی قیمت نکالنے میں انفع للفقراء کا خیال کرے۔ جس شخص پہ صدقہ فطر واجب ہے وہاں کے لحاظ سے ادا کرنے میں انفع للفقراء ہو تو وہیں ادا کردے۔

اور اگر جہاں صدقہ فطر ادا کیا جارہا ہو وہاں کی قیمت سے واجب کروانے میں فقراء کو زیادہ فائدہ ہوتا ہو تو مکان مودی کی قیمت کا لحاظ کرلے۔ غرضیکہ فقہ حنفی میں دونوں روایتیں ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے اُس کی جگہ کا اعتبار ہوگا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ جہاں صدقۂ فطر کی ادائیگی کی جارہی ہے اُس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ پوچھی گئی صورت میں انفع للفقراء ہونے کے اعتبار سے پہلی روایت اَحوط ہے، جب کہ دوسری روایت میں سہولت زیادہ ہے، دونوں روایتیں قابل عمل ہیں۔ (امداد الاحکام ۳/ ۱۴۱، فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۱۱۳، فتاویٰ محمودیہ ۹/ ۶۲۳ ڈابھیل، فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۶/ ۳۱۶-۳۱۷)

وفي الفطر مكان المؤدى عند محمد وهو الأصح. (الدر المختار) بل صرح في العناية والنهاية بأنه ظاهر الرواية كما في الشرنبلالية، وهو المذهب كما في البحر، فكان أولىٰ مما في الفتح من تصحيح قولهما باعتبار مكان المؤدى عنه. قال الرحمتي: وقال في المنح: في أخر باب صدقة الفطر: الأفضل أن يؤدى عن عبيده وأولاده وحشمة حيث هم عند أبي يوسف وعليه الفتوىٰ، وعند محمد حيث هو، تأمل. قلت: لكن في التاتارخانية: يؤدى عنهم حيث هو، وعليه الفتوىٰ وهو قول محمد، ومثله قول أبي حنيفة، وهو الصحيح. (الدر المختار مع الشامی ۳/ ۳۰۷ زکریا، بدائع الصنائع ۲/ ۲۰۸ زکریا، الفتاویٰ التاتارخانیۃ ۲/ ۴۴۴۔ کتاب النوازل جلد 17)

کن لوگوں کو صدقہ فطر دے سکتے ہیں اور کن لوگوں کو نہیں؟

جس غریب کے پاس بقدر نصاب مال نہ ہو اسے زکات وصدقہ فطر دے سکتے ہیں بشرطیکہ نیچے مذکور دیگر موانع موجود نہ ہوں۔ جن لوگوں سے انسان پیدا ہوا ہو جیسے ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اور اس طرح اس کی اولاد ہے جیسے بیٹی، بیٹا، پوتا،

پوتی، نواسہ، نواسی ان کو صدقہ فطر نہیں دے سکتا، ایسے ہی بیوی اپنے شوہر کو اور شوہر اپنی بیوی کو بھی صدقہ فطر یا زکات نہیں دے سکتا۔ ولا إلی من بینهما زوجية (درمختار علی ردالمحتار ۲/۲۸۶) بھائی، بہن، خالہ، خالو، ماموں، مامی، ساس، سسر، خسر، سالہ، بہنوئی، سوتیلی ماں، سوتیلا باپ سب کو صدقہ فطر دینا درست ہے۔ (شامی) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ یا حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اولاد کو صدقہ فطر دینا درست نہیں ہے۔ (درمختار) صدقہ فطر سے مسجد، مدرسہ، اسکول، غسل خانہ، کنواں، نلکا اور مسافر خانہ، پُل، سڑک غرضیکہ کسی طرح کی عمارت بنانا یا کسی میت کے کفن دفن میں خرچ کرنا یا کسی میت کی طرف سے اس کا قرضہ ادا کرنا درست نہیں ہے، البتہ اگر کسی غریب کو اس کا مالک بنا دیا جائے، پھر وہ اگر چاہے تو اپنی طرف سے کسی تعمیر یا کفن دفن وغیرہ میں خرچ کردے تو جائز ہے۔ جب تک کسی شخص کے صدقہ فطر کے مستحق ہونے کی تحقیق نہ ہو جائے اس وقت تک اس کو صدقہ نہیں دینا چاہیے اگر بے تحقیق دے دیا پھر معلوم ہوا کہ وہ غریب ہی ہے تو ادا ہو گیا ورنہ دیکھا جائے کہ دل کیا گواہی دیتا ہے؟ اگر دل اس کے غریب ہونے کی گواہی دے تو ادا ہو گیا ورنہ پھر سے ادا کرے۔ درمختار میں ہے: **دفع بتحرٍّ ......إلی أن قال: إن بان غناه......لایعید إلخ** (ردالمحتار ج۳ کتاب الزکوۃ۔ باب المصرف ص۳۰۲)

ایک شہر سے دوسرے شہر میں صدقہ فطر بھیجنا

ایک شہر سے دوسرے شہر میں صدقہ فطر بھیجنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر دوسرے شہر میں اس کے غریب رشتہ دار رہتے ہوں یا وہاں کے لوگ زیادہ محتاج ہوں، یا وہ لوگ دین کے کام میں لگے ہوئے ہوں تو ان کو بھیج دیا تو مکروہ نہیں، کیونکہ طالب علموں اور دین دار غریب عالموں کو دینا بڑا ثواب ہے۔ صدقہ دینے میں اپنے غریب رشتہ داروں اور دینی علم کے سیکھنے سکھانے والوں کو مقدم رکھنا افضل ہے۔

غیر ملک مقیم شخص کس قیمت سے اپنا صدقہ فطر ادا کرے؟

جو شخص جہاں مقیم ہے اگر وہ جائے اقامت چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں اپنا صدقہ فطر ادا کرنا چاہے تو جہاں وہ مقیم ہے وہاں صاع یا نصف صاع کی قیمت کے لحاظ سے صدقہ فطر نکالے، جہاں ادا کر رہا ہے وہاں کی اجناس کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا: **ويعتبر مكانه لنفسه الخ وعليه الفتوىٰ.** (الدر المنتقی ۱/۲۲۶، الولوالجیۃ ۱/۲۴۴) واللہ اعلم بالصواب

جھانگیر قیاسؔ۔ حیدرآباد

غزل

نرم بستر نہ سہی سخت ہی بستر ہوتا
سر چھپانے کے لئے کاش کوئی گھر ہوتا

گر مقدر کے ستارے مرے روشن ہوتے
باا یقیں میں بھی مقدر کا سکندر ہوتا

بے ثمر پیڑ ہوں پتھر نہیں آتے مجھ پر
زخم لگتے تھے مجھے بھی جو ثمرور ہوتا

میرے احباب چراتے نہیں آنکھیں مجھ سے
آستینوں میں اگر ان کی نہ خنجر ہوتا

صحن میں اٹھتی نہیں تھی کوئی دیوار قیاسؔ
کاش بٹوارا نہیں ہوتا تو گھر گھر ہوتا

مفتی امداد الحق بختیار قاسمی۔استاذ حدیث وشعبہ افتاء دار العلوم حیدر آباد

موسم گرما اور اسکولوں کی سالانہ تعطیلات

بچوں کی تربیت کا بہترین موقع

موسم گرما (Summer) میں عصری تعلیمی اداروں کے سالانہ امتحان کے بعد طویل تعطیلات (Holidays) ہوتی ہیں، جس کا دورانیہ (Duration) ایک مہینہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے، اس وقفہ کو بہت سارے طلبہ، طالبات اور ان کے والدین مختلف قسم کی مفید سرگرمیوں (Useful activities) میں صرف کرتے ہیں، جبکہ بعض ایسے بھی ہیں، جو غیر مفید کاموں، سستی اور لاپرواہی میں یہ قیمتی اوقات ضائع (Spoil) کر دیتے ہیں، راتوں کو جاگتے ہیں، پھر دن بھر سوتے ہیں، بعض موبائل فون اور ٹی وی کے سامنے اپنے شب و روز گزار دیتے ہیں، بعض سارا وقت کرکٹ اور دیگر کھیلوں میں لگے رہتے ہیں، بچیاں شاپنگ وغیرہ میں مشغول ہو جاتی ہیں، بعض والدین بچوں کو کسی پکنک اسپاٹ کی سیر کرانے لے جاتے ہیں، ایک بڑی تعداد ایسے والدین کی ہے، جن کے پاس اپنے بچوں کی سالانہ تعطیلات کو مفید بنانے کے لیے کوئی لائحہ عمل (Planning) نہیں ہوتا۔

وقت کی اہمیت

یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری زندگی کی ایک ایک گھڑی (Second) بہت قیمتی ہے، جو وقت نکل گیا، وہ موت تک کبھی واپس نہیں آسکتا، وقت دنیا کی سب سے قیمتی؛ بلکہ انمول (Priceless) چیز ہے، اس دنیا میں انسان کی زندگی محدود (Limited) ہے، انسانیت کی رہنمائی اور فلاح و بہبود کے لیے نازل کی گئی کتاب: یعنی قرآن کریم میں وقت کی اہمیت کو بتانے کے لیے اللہ تبارک و تعالی نے کئی مقامات پر اس کی قسم کھائی ہے، کبھی عصر کی قسم کھائی ہے، کبھی رات کی، کبھی دن کی، کبھی صبح کی، کبھی شام کی؛ تا کہ انسانوں کو وقت کی قدر و قیمت معلوم ہو اور وہ اپنی زندگی کے قیمتی اوقات کو ضائع کرنے سے بچیں۔ اسی طرح اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (7) وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ (8)

ترجمہ: پھر جب آپ کام سے فارغ ہو جائیں، تو دوسرے کام میں اپنے آپ کو لگا کر تھکائیں اور اپنے رب کی طرف ہی دل چسپی لیں۔ سورة الشرح.

اس آیت کا پیغام یہ ہے کہ انسان کو جب دنیاوی کاموں سے فراغت ملے، تو پھر اخلاص کے ساتھ اور اللہ تعالی کی رضا کے لیے اسے آخرت کے کاموں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہیے، سستی اور لاپرواہی سے کام نہیں لینا چاہیے؛ بلکہ اپنی دنیا اور آخرت کی مفید چیزوں کے حصول کے لیے اپنی کوششوں کو جاری رکھنا چاہیے؛ چنانچہ نبی کریم کا ارشاد گرامی ہے:

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم: نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس الصحة والفراغ . ترجمہ: دو نعمتیں ایسی ہیں، جن میں اکثر لوگ لاپرواہی کرتے ہیں: (1) صحت (2) خالی اوقات۔

(صحیح بخاری، باب لا عیش إلا عیش الآخرة، 6412)

لہٰذا سالانہ تعطیلات کے ان ایام کو سستی، کاہلی، غفلت اور بے کار کے کاموں میں ضائع کرنے سے ہمیں بچنا چاہیے، چھٹی کے یہ ایام اللہ تعالی کی طرف سے نعمت ہیں، ان کا صحیح استعمال کرنا چاہیے۔

بچے والدین کے پاس امانت ہیں

ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ بچے ہمارے پاس امانت

ہیں، اور امانت کی حفاظت واجب ہے، والدین کو بچوں کا ذمہ دار بنایا گیا ہے، ہماری نگرانی اور ذمہ داری میں ان بچوں کو دیا گیا ہے، لہذا ان کی صحیح تربیت کرنا، ان کو اچھا انسان بنانے کی کوشش کرنا، غلط راستوں سے ان کو بچانا، غلط کاموں سے ان کو دور رکھنا، ان کے اخلاق و کردار کو سنوارنا، ان کی عادت و اطوار کو بہتر بنانا، یہ سب ہماری ذمہ داری ہے اور ہم سے اس کے بارے میں کل قیامت کے دن سوال بھی ہوگا؛ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

كلكم راع وكل مسؤول عن رعيته . ترجمہ: تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اس سے اس کی نگرانی کے بارے میں سوال ہوگا۔ (صحيح بخاری، باب قوا أنفسكم وأهيلكم نارا، 4892)

اولاد کی صحیح تربیت - ایک بڑی ذمہ داری

لہذا والدین کو بچوں کی تربیت پر توجہ دینی چاہیے، ان کو مہذب اور ادبی گفتگو سکھانا، ان کی ہر نقل و حرکت پر نگاہ رکھنا، ان کو ادب، تہذیب اور شائستگی سکھانا، یہ ہماری ذمہ داری ہے، ہماری نئی نسل (New generation) میں اس کی بہت کمی دیکھی جا رہی ہے، بچوں اور نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد کی بول چال بالکل بازاری اور اوباش قسم کے لوگوں کی طرح ہوتی جا رہی ہے، ان کی عادتیں اور ان کے اخلاق قابل افسوس ہیں؛ مگر ہم اس پر افسوس تو کرتے ہیں؛ لیکن اس کو دور کرنے کی صحیح اور عملی کوشش نہیں کرتے؛ جبکہ تربیت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے بہت تاکید فرمائی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

وعن أنس بن مالك رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم: أكرموا أولادكم، وأحسنوا أدبهم . ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: اپنی اولاد کی عزت کرو اور انہیں اچھا ادب سکھاؤ۔ (ابن ماجه، باب بر الوالد والإحسان إلى البنات، 3671.)

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

وعن أيوب بن موسى عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا من نَحْلٍ أفْضَلَ من أَدَبٍ حَسَنٍ . ترجمہ: رسول اللہ نے فرمایا: کسی والد نے اپنے بچے کو اچھے ادب سے بہتر کوئی ہدیہ نہیں دیا۔ (الترمذي، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في أدب الولد، رقم 1952)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی ہے:

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما ورَّث والدٌ وَلَداً خيراً مِنْ أدَبٍ حَسَن . ترجمہ: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: کسی والد نے اپنے بچے کو اچھے ادب سے بہتر کوئی میراث نہیں دی۔ (أخرجه الطبراني في الأوسط، 3658)

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ. (6) سورۃ التحریم.

ترجمہ: اے ایمان والوں! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو ایسی آگ سے، جس کا ایندھن (Fuel) انسان اور پتھر ہوں گے، جس پر سخت ترین طاقتور پر فرشتے تعینات (Deployed) ہوں گے، جو اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے، اسے وہ ضرور پورا کرتے ہیں۔

آج کل عمومی صورت حال یہ ہے کہ مسلمان والدین اپنی اولاد کو دنیا کی آگ، اس کی مشقت، دشواری اور پریشانیوں سے حفاظت کی تدبیریں تو کرتے ہیں؛ لیکن آخرت کی مشکلات، پریشانیاں اور وہاں کی آگ سے بچانے کی کوشش محض رسمی اور برائے نام ہوتی ہے؛ لہذا قرآن پاک کی اس آیت کے مطابق ہمیں اپنی اولاد کو دنیا کی آگ کے ساتھ ساتھ آخرت کی آگ سے بچانے کی بھی فکر اور عملی کوشش کرنی چاہیے اور یہ جب ہی

ہو گا، جب کہ ہم اپنی اولاد کی صحیح اور دینی تربیت کے لیے کمر بستہ ہوں گے؛ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ بچے بالکل خالی الذہن ہوتے ہیں، ہم اپنی کوشش سے ان کو اچھا انسان بھی بنا سکتے ہیں اور ہماری لا پرواہی ان کو برا انسان بھی بنا سکتی ہے، ہم نے اگر ان کو اچھا ماحول فراہم کیا، صحیح رہنمائی کی، اچھی عادتوں کی تاکید کی، مہذب زندگی کا ماحول دیا، سچائی، امانت داری، تعاون اور مدد کی عملی تعلیم دی، تو ان کے خالی ذہن میں ہمیشہ کے لیے یہ چیزیں نقش ہو جائیں گی اور ہمیشہ ان کی رہنمائی میں وہ اپنی بہترین زندگی کا سفر طے کریں گے۔

بچوں کے لیے رول ماڈل بنیں

اپنی اولاد کی صحیح تربیت کے لیے ہمارے لیے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ بچے اپنے بڑوں کے اخلاق، اعمال، عادت و اطوار اور گفتار و کردار کو دیکھ کر ہی سیکھتے ہیں اور زیادہ تر بچوں کی زندگی اپنے بڑوں اور والدین کی طرح ہی ہوتی ہے؛ لہٰذا ہم جیسے ہوں گے، ہمارے بچے بھی ویسے ہی ہوں گے؛ کیوں کہ املی کا پیڑ (Tamarind tree) کتنی ہی کوشش کرلے، اس پر آم نہیں آسکتے، کوئلے کی کھان (Coal mine) سے کوئلہ اور سونے کی کھان سے سونا ہی نکلتا ہے؛ لہٰذا جیسے ہمارے اخلاق و عادات ہوں گے، ہمارے بچے بھی وہی سیکھیں گے، جیسی ہماری گفتگو ہوگی، ہمارے بچے بھی اسی کی نقل (Follow) کریں گے؛ اس لیے بچوں کی صحیح تربیت کے لیے نہایت ضروری ہے کہ پہلے ہماری تربیت ہو، ہم اپنا جائزہ لیں، اپنا محاسبہ کریں، اپنے اخلاق و کردار کو سنواریں، اپنی شخصیت کی اصلاح کی کوشش کریں، اس کے لیے قرآن و حدیث کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ علماء کی مجالس میں بیٹھیں اور صحیح اللہ والوں کی صحبت اختیار کریں۔

ہم نے اگر اپنی اصلاح کی فکر اور کوشش نہیں کی، ہم نے اگر اپنی زبان، عادتیں، اخلاق نہیں بدلے، ہم اگر عبادت کے پابند نہیں بنے، تو پھر اپنی اولاد کی اصلاح کا ہمارا خواب، صرف خواب ہی رہے گا، حقیقت میں شاید کبھی نہیں بدل سکتا۔

موجودہ ماحول میں بچوں کی تربیت- ایک بڑا چیلنج

موجودہ زمانہ میں مسلمان نسل کے دین وایمان کو کمزور کرنے، اسلامی اخلاقیات اور دینی راستہ سے انہیں ہٹانے، غیروں کے طور طریقہ ان کے ذہن و دماغ پر حاوی کرنے، انہیں غیروں کے رنگ میں رنگنے اور ان سے متاثر ہونے اور کرنے کے بہت سے طریقے رائج ہو گئے ہیں؛ چنانچہ موبائل فون اور اس میں آنے والے کارٹون ہوں، ڈرامے اور پروگرامز ہوں، ٹی وی اور اس پر دکھائی جانے والی فلمیں ہوں، سیر و تفریح کے بناوٹی مقامات اور وہاں کی اکٹویٹیز (Activities) ہوں، یا عصری تعلیمی اداروں کی نصابی کتابیں (Curriculum) اور ان میں پڑھایا جانے والا مضمون ہو، الغرض ہر چہار طرف سے دانستہ اور غیر دانستہ (Intentionally and unintentionally) کوشش ہو رہی ہے کہ ہمارے بچوں کے عقائد کمزور ہو جائیں اور دینی اعمال سے وہ دور ہو جائیں اور وہ بھی غیروں کے راستوں پر چلنے لگیں۔

اسی طرح بڑے ہونے کے ساتھ اولاد کی طرف سے والدین کی نافرمانی کی شکایت ہمارے معاشرہ میں عام ہوتی جا رہی ہے، بچوں میں بڑوں کا ادب واحترام بہت کم نظر آتا ہے، غلط صحبت (Wrong company) کے مواقع ہر طرف مہیا (Available) ہیں، جس کے نتیجہ میں بچوں کے اندر سگریٹ نوشی اور دیگر چیزوں کے نشہ کی عادت پیدا ہوتی ہے، سنیما دیکھنے کا شوق اور موبائل فون پر غلط اور بے حیائی والی ویڈیوز دیکھنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ بچہ بالکل بے کار اور ناکارہ ہو جاتا ہے، والدین کو خون کے آنسو رلاتا ہے، اور معاشرہ کے لیے تکلیف کا سبب بن جاتا ہے۔

ایسے ماحول میں اولاد کی صحیح تربیت کرنا، ان کو درست راستے پر قائم رکھنا، غلط چیزوں سے ان کو محفوظ رکھنا، والدین کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے، اور ایسی صورتِ حال میں والدین کی ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے، ہمیں اسکولوں کی سالانہ تعطیلات کو

غنیمت جانتے ہوئے، ان کی دینی تربیت کے لیے کوئی نظام بنانا چاہیے، جس کی درج ذیل بعض صورتیں ہوسکتی ہیں:

یومیہ نظام العمل

جس طرح اسکول کی تعلیم کے ایام میں کاموں کا ایک نظام (Schedule) ہوتا ہے، اسی طرح چھٹیوں کے ایام میں بھی نظام العمل ہونا چاہیے، گھر میں ہر کام کا وقت اور نظام بنایا جائے، رات کو جلدی سونے، صبح کو فجر کی نماز سے پہلے اٹھنے کا اہتمام کیا جائے، ناشتہ اور کھانے وغیرہ کا وقت متعین کیا جائے۔ بچوں کے ساتھ مل کر کھانا کھانے کی کوشش کی جائے اور بچوں کے کھانے کے انداز پر نظر رکھی جائے اور انہیں نرمی اور پیار سے صحیح طریقہ بتاتے رہیں، کھانا شروع کرنے سے پہلے اور بعد کی دعائیں سکھائیں۔

عبادت اور تلاوت کی ترتیب

بچوں کی گھر پر موجودگی اور اسکول کے کاموں سے مکمل فراغت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، ہمیں ان کے ساتھ نمازوں کی ترتیب بنانی چاہیے؛ پوری کوشش کریں کہ بچوں کو مسجد لے کر جائیں اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں، اس سے ان کو نماز کی مشق (Practice) ہوگی، اسی طرح صبح فجر کے بعد ان کے ساتھ مل کر قرآن کی تلاوت کا اہتمام کرنا چاہیے، اس سے ان کے اندر کتابِ ہدایت کے ساتھ لگاؤ ہوگا اور دینی جذبات پختہ (Strong) ہوں گے۔

دینی تعلیم کا نظم

ہمارے بچے پورے سال اسکول کی تعلیم میں مصروف رہتے ہیں، دینی تعلیم کی طرف خاطر خواہ (As needed) توجہ نہیں ہو پاتی بعض مسلم انتظامیہ والے اسکولوں (Muslim run schools-) میں اسلامی تعلیم ہوتی ہے؛ مگر ان میں سے زیادہ تر رسمی اور برائے نام ہیں؛ لہذا سالانہ تعطیلات کو غنیمت جانتے ہوئے ہمیں بچوں کو تجوید کے ساتھ قرآن سکھانے کا انتظام کرنا چاہیے، چند سورتوں کو حفظ یاد کرانا چاہیے اور ان کا ترجمہ اور تفسیر پڑھانی چاہیے۔ بچوں کو کلمے، منتخب (Selected) احادیث اور روزمرہ پڑھی جانے والی دعائیں یاد کرائیں، نماز کا مکمل طریقہ بتائیں، اس کی عملی مشق کرائیں، جنازہ کی نماز کا طریقہ اور اس میں پڑھی جانے والی دعائیں اور درود شریف یاد کرائیں؛ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے انتقال کے بعد ہمارا بچہ ہماری نمازِ جنازہ بھی پڑھنے کی صلاحیت نہ رکھے، جو ہماری آخرت کی زندگی کے لیے بھی بہت افسوسناک ہوگا۔

اس مقصد کی تکمیل کے لیے مسجد کو بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، اگر وہاں مکتب کا نظام نہیں ہے، تو قائم کرنا چاہیے اور اگر ہے تو تعطیلات کے پیش نظر اس میں جماعتوں (Batches) کا اضافہ کرنا چاہیے، اضافی کلاسس (Extra Classes) لگانی چاہیے، مسجد نا کافی ہو، تو علاقہ کے کچھ ذمہ دار حضرات مل کر آپسی تعاون سے کسی عالم دین اور ماہر تعلیم کی نگرانی میں ہر محلّہ میں سمر کیمپ (Summer Camp) لگائیں، اس کے لیے بجٹ کا انتظام کریں۔

سیرت اور تاریخ کی کتاب کا اجتماعی مطالعہ

اپنے نبی ﷺ کی مبارک زندگی، اسلامی اور مسلمانوں کی تاریخ سے ہماری نسل ناواقف ہوتی جارہی ہے، پورے سال اسکول اور کالج کے تعلیمی نظام میں اس کی گنجائش نہیں ہوتی؛ لہذا تعطیلات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، ہمیں ان کو اپنے نبی پاک ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرانا چاہیے، اس کام کے لیے گھر میں بھی کوئی وقت مخصوص کیا جاسکتا ہے، جس میں گھر کے تمام افراد ایک ساتھ بیٹھ کر، سیرت کی کسی کتاب کا مطالعہ کریں، تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے اور ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ کو پڑھا جائے، اس عمل سے اپنے دین، اپنی تہذیب سے ہماری نسل کا رشتہ مضبوط ہوگا۔

اردو تعلیم کا اہتمام

موجودہ زمانے میں ایک افسوسناک چیز یہ دیکھنے میں آرہی ہے کہ ہماری نئی نسل کی اردو زبان سے ناواقفیت عام ہوتی

جارہی ہے، حتی کہ اب نئی نسل کو دینی کتابیں بھی رومن انگلش میں چاہیے، ہمیں اس پہلو پر توجہ دینی چاہیے، ہماری دینی کتابوں کا بڑا ذخیرہ اردو زبان میں ہے، اس وقت بھی اردو زبان میں جیسی معتبر دینی کتابیں دستیاب ہیں، وہ انگلش یا دیگر علاقائی زبانوں میں نہیں ہیں؛ لہٰذا چھٹیوں کے دنوں میں بچوں کو اردو زبان کی تعلیم پر بھی توجہ دینی چاہیے۔

رشتہ داروں سے ملاقات

بچوں کے سماجی روابط بڑھانے اور معاشرتی امور سکھانے کے مقصد سے چھٹیوں کے موقع پر رشتہ داروں سے ان کی ملاقات کروانی چاہیے، آج کل موبائل اور ٹیلی ویژن کی وجہ سے نئی نسل کا سماجی رابطہ بالکل منقطع ہو کر رہ گیا ہے، انہیں رشتوں کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ نہیں، کس رشتہ دار سے کس طرح سے بات کرنی؟ یہ تک انہیں معلوم نہیں، کس کے کیا حقوق ہیں؟ کس کا کیا مقام و مرتبہ ہے؟ ان سے وہ بے خبر ہیں، ان کو یہ تمام چیزیں سکھانا ہماری ذمہ داری ہے، قرآن وحدیث میں صلہ رحمی کی بڑی تاکید اور قطع تعلق کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے، اور جب تک رشتہ داروں کے بارے میں معلومات نہیں ہوگی، ان سے رابطہ نہیں ہوگا، ان سے تعلق نہیں ہوگا، ان کے پاس آنا جانا نہیں ہوگا، اس وقت تک صلہ رحمی پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الرَّحِمُ معلَّقةٌ بالعَرْشِ، تقول: مَنْ وَصَلَنِي وصَلَهُ الله، ومَنْ قَطَعَنِي قَطَعَهُ الله.
(صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب من وصل وصله الله، 5989، صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، 2555)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: رشتہ داری رحمٰن کے عرش کے ساتھ لگی رہتی ہے اور یہ کہتی ہے: جو مجھے جوڑے گا، اسے اللہ جوڑے گا اور جو مجھے توڑے گا، اسے اللہ تعالیٰ توڑے گا۔

عن جبير بن مطعم رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يدخُل الجنَّةَ قاطِعٌ ۔ ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: رشتہ داری کو توڑنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ (صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب إثم القاطع، 5984، صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، رقم 2556)

لہٰذا آج کل کی مصروف زندگی میں چھٹیوں کے ایام میں اس معاشرتی پہلو پر بھی توجہ دینی چاہیے۔

سیر و تفریح اور کھیل کود

گرمیوں کی چھٹیوں میں بہت سے والدین اپنی استطاعت کے مطابق اپنے بچوں کو سیر و تفریح کرانے کے لیے مختلف تاریخی اور تفریحی مقامات (Historical and recreational places) پر لے جاتے ہیں، بعض اپنے شہر، بعض ملک کے دوسرے صوبے اور دوسرے شہر بچوں کو لے جاتے ہیں، بعض صاحبِ استطاعت بیرون ملک بھی بچوں کو لے کر جاتے ہیں، چھٹیوں کے دنوں میں سیر و تفریح بھی ضروری ہے؛ ورنہ بچوں کی ذہن و دماغ پر غلط اثر پڑتا ہے اور آج کل سیر و تفریح کے مقامات کی بہت سی شکلیں بھی وجود میں آ گئی ہیں؛ لیکن اس میں ہمیں اس پہلو پر ضرور غور کرنا چاہیے کہ ہم اپنے بچوں کو جس مقام پر تفریح کے لیے لے جا رہے ہیں، اس سے بچوں کا کیا فائدہ ہوگا، اور کیا نقصان ہوگا؟ کیوں کہ عام طور پر سیر و تفریح کے بناوٹی، اور بعض تاریخی مقامات بے حیائی کے اڈّے بن چکے ہیں، ایسے مقامات پر جانے کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے، ان سے اپنے بچوں کو بہت دور رکھنا چاہیے۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ غیر اقوام کی طرح اسلام میں کسی بھی ایسی تفریح اور انٹرٹیمنٹ (Entertainment) کا تصور نہیں ہے، جس میں دین سے بالکل آزادی ہو، آنکھ بند کر کے نفس کی غلامی ہو، خواہشات کی آزادانہ تکمیل ہو؛ کیوں کہ ہم

مسلمان ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالی اور نبی پاک ﷺ کے فرمان اور احکام کیہر قدم پر پابند ہیں، زندگی کے کسی بھی حصہ میں اس سے آزادی کا تصور ہمارے یہاں نہیں پایا جاتا۔

لہٰذا تاریخی مقامات اور فطری خوبصورت جگہوں پر بچوں کو ضرور لے جائیں؛ مگر شرعی حدود اور دینی قیود کا لحاظ رکھیں اور اس میں بھی تعلیم اور تربیت کا پہلو نظر انداز نہ کریں؛ چنانچہ ان مقامات سے وابستہ تاریخ بچوں کو بتانی چاہیے، اللہ تبارک وتعالی کی خلقت اور قدرت بچوں کے ذہن و دماغ میں پیوست کرنی چاہیے، ہر جگہ نمازوں کی پابندی اور دعاؤں کا اہتمام رہنا چاہیے، اس سے بچوں کی تربیت پر بہت مثبت اثر ہوگا۔

واضح رہے کہ اسلام ہمیں اس کا پابند نہیں بناتا کہ ہم ہر وقت کسی ایک ہی کام میں لگے رہے، ہمارے دین میں ایسا نہیں ہے کہ ذہن و دماغ کے سکون کے لیے اور جسمانی راحت و آرام کے لیے سیر وتفریح اور کھیل کود کی گنجائش نہ ہو؛ بلکہ قرآن وحدیث میں ہمیں ایسی ہدایات ملتی ہیں، جن میں سیر وتفریح کی اجازت دی گئی ہے؛ چنانچہ اللہ تبارک و تعالی نے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے تذکرہ میں فرمایا، جب انہوں نے اپنے والد حضرت یعقوبؑ سے کہا:

قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَداً يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ .(یوسف/11-12)

ترجمہ: انہوں نے کہا: والد محترم! آپ کو کیا ہوگیا ہے؟ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد کیوں نہیں کرتے؟ ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔ آپ یوسف کو کل ہمارے ساتھ (جنگل) بھیجیے؛ تاکہ وہ کھائے پیئے اور ہمارے ساتھ کھیلے کودے، اور یقیناً ہم اس کی حفاظت کریں۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم میں متعدد جگہ اس مضمون کی آیت بیان فرمائی ہے:

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (20) سورۃ العنکبوت.

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ تم زمین (دنیا) میں گھومو، پھر دیکھو کہ اللہ تعالی نے اولاً چیزوں کو کیسے پیدا کیا ہے، پھر اللہ ہی دوبارہ (ان کو) پیدا کرے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ (69) سورۃ النمل.

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ تم زمین کی سیر کرو، پھر دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔

ان دونوں آیتوں میں سیر وتفریح کے دو مقاصد بیان کیے گئے ہیں: (1) اللہ تعالی کی تخلیق اور قدرت کو دیکھنا۔ (2) اللہ تعالی کی نافرمانی کرنے والے مجرموں کے انجام سے عبرت حاصل کرنا؛ لہٰذا مذکورہ بالا تینوں آیتوں سے جائز حدود میں رہتے ہوئے سیر وتفریح کی اجازت ثابت ہوتی ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ سے بھی سیر و تفریح کی اجازت معلوم ہوتی ہے؛ چنانچہ اماں عائشہؓ فرماتی ہیں:

حبشہ کے لوگ مسجد نبوی کے صحن میں اپنا روایتی کھیل کھیل رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی چادر سے پردہ کرتے ہوئے مجھے ان کا کھیل اتنی دیر تک دکھایا کہ میں تھک گئی۔ (صحيح بخاری، باب أصحاب الحراب في المسجد، 443، صحيح مسلم، باب الرخصة في اللعب الذي لا معصية فيه في أيام العيد، 892، سنن النسائي، اللعب في المسجد يوم العيد، ونظر النساء إلى ذلك، 1595)

اسی طرح صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ بعض صحابہؓ آپس میں تیر اندازی کررہے تھے، جب وہاں سے نبی پاک ﷺ کا گزر ہوا، تو آپ ﷺ نے بھی ان کے اس کھیل میں شرکت فرمائی۔ (صحيح بخاری، باب التحريض على الرمي، 2743)

قرآن وحدیث میں اس مضمون کی اور بھی آیتیں اور حدیثیں ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی حدود کی رعایت

کرتے ہوئے، سیر وتفریح اور کھیل کود کی اسلام میں نہ صرف اجازت ہے؛ بلکہ بعض موقع پر اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے؛لہذا سالانہ تعطیلات میں ہمیں بچوں کے لیے سیر وتفریح کے ساتھ کھیل کود کا بھی کوئی نظام بنانا چاہیے، اپنی اور ماہرین کی نگرانی میں سپورٹ (Sports) کی بھی ٹریننگ (Training) دینی چاہیے، یہ بچوں کی جسمانی (Physical)اور ذہنی(Mental)نشوونما(Bringing Up)کے لیے بہت ضروری ہے۔

لیکن یادرکھیں کہ ہمیشہ گلی اور محلّہ کے بچوں کے ساتھ کھیلنے کے لیے ان کونہیں چھوڑنا چاہیے؛ کیوں کہ وہیں سے بچے گندی زبان، گالیاں، بری عادتیں اور نشہ وغیرہ سیکھتے ہیں؛ لہذا بہت نگرانی کی ضرورت ہے۔

جسمانی ورزش

سالانہ تعطیلات میں جسمانی ورزش کے لیے بھی کوئی وقت خاص کرنا چاہیے؛ کیوں کہ آج کل ورزش اور صحت پر توجہ کے حوالے سے بہت لاپرواہی چل رہی ہے، ہماری ساری توجہ جسم کے ظاہر کو سنوارنے (Decorate) پر خرچ ہو رہی ہے، جسمانی قوت، اپنے دفاع کی طاقت (The power of defense-self)، کسی نازک گھڑی میں اپنی اور اپنے گھر والوں کی حفاظت، شرپسندوں سے اپنے گھر، خاندان، ملت اور قوم کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے ہمارے پاس کوئی تیاری نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ ایسے مواقع پر سوائے نقصان اور خون کے آنسو رونے کے ہمارے پاس کچھ اور نہیں ہوتا؛لہذا ہمیں اپنے بچوں کی جسمانی صحت پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، اس سے ان کی ذہنی صحت میں بھی اضافہ ہوگا اور وہ ایک بہترین اور ذہین طالب علم بن سکیں گے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

کمزور مومن کے مقابلہ میں طاقتور مومن اللہ تعالی کو زیادہ پسند ہے۔(صحیح مسلم، باب فی الأمر بالقوۃ، وترک العجز، والاستعانة بالله، وتفويض المقادير لله، 2664)

اسی طرح امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ فرماتے تھے:

اپنے بچوں کو تیراکی (Swimming)اور تیر اندازی (Archery) سکھاؤ اور انہیں تاکید کرو کہ وہ گھوڑے پر کود کر (Jump on) بیٹھیں۔(الدر المنثور للسيوطى (4/ 86) فيض القدير (4/ 327)، فتح البارى (6/ 70)

فیروز خان ندوی۔ لکھنؤ

ایک تازہ غزل

بجھ جائے آگ دل کی تو صحرا دکھائی دے
ورنہ خود ایک شہر تمنا دکھائی دے

اپنائے تو غیر بھی اپنا دکھائی دے
ٹھکرائے تو اپنا پرایا دکھائی دے

ہر حادثہ نواز یہ ہی چاہتا ہے اب
میرا خلوص سب سے زیادہ دکھائی دے

اللہ کی صفات کا مظہر ہے آدمی
ایسا ثبوت جو کبھی دعویٰ دکھائی دے

اس فن کی داد دیتا ہوں جس فن میں اے فیروز
فنکار کا لہو بھی اچھوتا دکھائی دے

سید عظمت اللہ بیابانی۔ وجے نگر کالونی، حیدرآباد

دوری

ماہِ مارچ ختم پہ ہے۔ میں اپنے فارم ہاؤز پہ اُس پرانے کیکر کے درخت کے نیچے بید کی کرسی پر پیر پھیلائے، چائے پی رہا ہوں، کیکر کے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو میں، میں لپٹا ہوں، اُس کے پھول ایک عجیب نظارہ پیش کررہے ہیں، اُس کی ایک ڈالی پہ کوّا گھونسلا بنانے کی کوشش میں ہے۔ میں نے دیکھا کچھ تنکے کوّا جمع کررہا ہے اور کچھ تنکے اِسی دوران نیچے گر رہے ہیں۔ میں چھٹی میں اپنے فارم ہاؤز آتا ہوں، اسی جگہ تھوڑی دیر سستا لیتا ہوں، تھوڑی دور پہ آم کے پیڑ کی پھولوں سے لدی ہوئی ٹہنیاں بل کھا رہی ہیں۔ مزدور پیڑوں کے نیچے زمین کی کھدائی کررہے ہیں اور اس سے پرے ٹہنے پر پانی کا ٹینک پانی سے لبریز پرندوں کو اپنی پیاس بجھانے کے لیے مدد کررہا ہے۔ تھوڑی دور پر ایک پھنس کا جھاڑ (Jackfruit) ہے۔

میں چائے ختم کرکے اُس پھنس کے جھاڑ کے نیچے پہنچتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ پانچ چھ مضبوط شاخوں پر چھوٹے چھوٹے پھنس لٹک رہے ہیں۔ ایک طرف اوپر شہد کا چھتہ لٹک رہا ہے۔ مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔ موسم میں تھوڑی سی خشکی محسوس ہورہی ہے۔ اور دو مہینے گزرنے کے بعد آم کی فصل تیار ہوگی، پھنس کے پھل اسی دوران پکنے لگیں گے اور اپنی بھینی بھینی خوشبو بکھیرنے لگیں گے۔ میں پھر لوٹ کر اُس کیکر کے درخت کے پاس آجاتا ہوں۔ دوگانہ ادا کرنے کے بعد اُس پروردگارِ عالم کا شکر ادا کرکے اپنے کمرے میں آجاتا ہوں۔

دوسری صبح جب میں بورویل کے قریب لگے ہوئے کانٹی کی جھاڑی کے پاس دیکھتا ہوں کہ خوشنما پھول ان کانٹے دار جھاڑیوں میں اپنا خوبصورت سا مکھڑا اٹھا کر دوسروں کے دیدار کے لیے مچل مچل رہا ہے۔ اوپر چیل کو اُڑتے ہوئے میں نے دیکھا کہ اپنے پنجے میں جو چوزہ لیکر اڑ رہی تھی، پنجے کے پکڑ سے چھوٹ کر نیچے آپڑا۔ میں نے اُس چوزے کی کچھ فرسٹ ایڈ کی۔

دوسرے دن میرا لڑکا اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرونی ملک کا سات سمندر پار سفر کرنے والا ہے۔ اُس کی ماں ایک طرف بیٹھے سوچ میں مبتلا، چہرے پہ غمگینی کے آثار لیے ہوئے غم سُم بیٹھی ہوئی ہے۔ ایرپورٹ (ہوائی اڈّہ) مے اس فارم ہاؤز سے بہت قریب ہے۔ وقت مقررہ پر ہم نے اُس کو دعائیں دیتے ہوئے الوداع کہا اور ہدایت کی کہ اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی یاد سے کبھی غفلت نہ برتنا۔ ہم نے واپسی پر اپنے شہر کے مکان آگئے۔

دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں بدلتے گئے، موسم اپنے مخصوص انداز لیے ہوئے بدلتے رہے۔ بارش کا موسم

شروع ہوا، ہوا اور پانی کی بہتات نے شہر کی سڑکوں کو ندی نالے بنادئے۔ دوسرے دن جب بارش تھی، ہوا رکی تو ہم نے فارم ہاؤز کا رخ کیا۔ داخلہ کے گیٹ کے پاس جیسے ہم ہم نے موٹر سے اترے، میں نے کوئی تیز چیز پاؤں میں چبھتی ہوئی محسوس کیا۔ ہمیں کئی دفعہ اس جگہ آنا ہوا لیکن کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا۔ میں نے اس چبھتی ہوئی چیز کو اپنے پیر سے نکالا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ اُس کیکر کی ڈالی کا کانٹا جو سوکھا ہوتھا، یہاں آپڑا اور میرا پیر اتفاق سے اُس پر پڑ گیا۔ حسبِ عادت اُس کیکر کے درخت پر جو نظر پڑی، دیکھتا کیا ہوں کہ جہاں کوّے کا گھونسلہ تھا، وہاں اب کچھ نہیں، آگے جب بڑھتا ہوں تو مجھے حیرت ہوئی کہ آم کے پھول جو اب تک آم میں بدل جانا تھا لیکن پورے کے پورے ننگی ڈالیاں لٹک رہی ہیں۔ نیچے زمین پر جدھر دیکھو اُدھر آم کے چھوٹے چھوٹے پھل گرے ہوئے ہیں۔ مزدور بے حال اپنے سامان جو ہوا سے اِدھر سے اُدھر ہو گئے ہیں، کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ میں اور آگے بڑھ کر دیکھتا ہوں کہ پھُنس کے وہ پھل جو لٹک رہے تھے، اُن کا کہیں نشان ہی نہیں ہے۔ شہد کے مکھیوں کا چھتّہ وہ بھی لا پتہ ہے۔ مجھے فوری سورہ کہف کی وہ آیت مبارکہ ذہن میں آگئی کہ ''میں نے اللہ کا شکر شاید ادا نہیں کیا''۔ پانی کی ٹینک کے قریب جو بورویل ہے وہاں کی کانٹی دار جھاڑی اِس طوفانی ہوا اور بارش سے ذرا بھی بے تعلق، اپنی جگہ رکوع و سجود میں مصروف ٹھہری ہوئی ہے۔

☆☆☆

محبوب خان اصغؔر ۔حیدرآباد

تازہ بہ تازہ ایک غزل

فردا نہیں کچھ اور بجز ما کسب یہاں
سرگرداں اپنی ذات کے صحرا میں سب یہاں

اغراض کے خطوط پہ چلتی ہے ہر گھڑی
تہذیب نے مٹادیا ذوقِ ادب یہاں

ہے دستیاب جو بھی ضرورت ہے ناگزیر
الجھے ہوئے ہیں لوگ مگر بے سبب یہاں

ذاتی ہو کوئی وصف تو شہرہ بھی ہو نصیب
اب پوچھتا ہے کون حسب اور نسب یہاں

لفظوں کی شکل میں وہ اگلنے لگا ہے زہر
بچھو سے کوئی بچ نہیں پائے گا اب یہاں

آنکھیں ترس گئی ہیں اجالوں کے واسطے
اب سر پہ چڑھ کے بیٹھ گئی گہری شب یہاں

دیکھا نکل کے خواب سے تو منکشف ہوا
اصغؔر صداقتوں کا ہے منظر عجب یہاں

فائزہ عظیم احمد۔کاشانہ رفیق سرائے میر، اعظم گڑھ

بیٹی کا اصل حق جہیز یا میراث؟

یوں تو انسانی زندگی کے تمام تر اہم شعبے بے بنیاد رسوم وروایات کے گھرے ہوئے ہیں، جن کے نقصانات ونتائج تو اپنی جگہ مسلم ہیں، لیکن سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسانی زندگی مختلف مشکلات ومسائل کا شکار ہو جاتی ہے۔ان میں سے ایک اہم ترین شعبہ ''شادی بیاہ'' ہے جو ہمیشہ سے غیر ضروری رسوم وروایات کے نرغے میں رہا ہے، اور شادی سے متعلقہ رسوم میں سے ایک اہم رسم ''جہیز'' ہے۔جہیز سے مراد وہ سازوسامان ہے جو شادی بیاہ کے موقع پر لڑکی کے اہل خانہ کی طرف سے مہیا کیا جاتا ہے، چاہے وہ نقد،سونا وچاندی اور زیورات کی شکل میں ہو یا فرنیچر، برتن وغیرہ۔جہیز کے اندر صرف اسباب ضرور یہ باقی نہیں رہے ہیں، بلکہ اصل زور غیر ضروری اسباب پر ہے، فریج، گاڑی، بنگلہ اور بے شمار قیمتی چیزیں جہیز کا لازمی حصہ بن گئی ہیں، اصحاب ثروت ان چیزوں کے ذریعے اپنی امارت ودولت اور اسٹیٹس کا اظہار کرتے ہیں، دوسروں سے سبقت لے جانے کی سعی کرتے ہیں۔آج چوں کہ معاشرے میں اس کا چلن عام ہو چکا ہے تو مالی اعتبار سے کمزار اور متوسط طبقہ بھی اس میں مسابقت کرتے ہیں، اور اس کے لئے ان پر یہ بھاری معاشی بوجھ بن جاتا ہے، بسا اوقات جہیز کے مصارف میں لوگوں کو اپنے مکانات یا زمین جائداد سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

معاشرے میں جہیز کے چلن سے جہاں اسراف وتبذیر عام ہوتی ہے، وہیں لوگوں میں حرص اور لالچ بھی بڑھ گئی ہے، جہیز کے لالچ میں لوگ جہیز کے اعتبار سے اچھے سے اچھا رشتہ تلاش کرتے رہتے ہیں، اور لینے والوں کی حرص کبھی پوری نہیں ہوتی ہے چاہے دینے والا کچھ بھی دیدے، اس طرف سے صدائے ''ھلْ منْ مِّزِیدْ'' برابر آتی رہتی ہے، ہر شخص کے وسائل محدود ہوتے ہیں اس صدا کے جواب میں ہر وقت لبیک کہنا ممکن نہیں ہوتا، اور آخر وہ لمحات بھی آجاتے ہیں، جب محض جہیز کی وجہ سے طلاق وتفریق تک نوبت پہونچ جاتی ہے، یہ صورت حال اس وقت اور بھی سنگین ہو جاتی ہے، جب محض جہیز کی وجہ سے دلہن کو نذر آتش کر دیا جاتا ہے، ہمارے ملک میں اس کے شواہد اور واقعات بے شمار ہیں، جب دلہن محض جہیز کم لانے کی وجہ سے جلائی گئیں ہیں، اگر چہ یہ واقعات ہندو معاشرہ میں ہوئے ہیں۔اور ایسے بھی واقعات موجود ہیں کہ لڑکیوں نے صرف اس لئے خودکشی کر لی کہ ان کی شادی کے لئے خاطر خواہ جہیز کا انتظام نہیں ہوسکا، ان حالات میں آج شادی بیاہ پر تکلف اور بجائے آبادی کے بربادی بن گیا ہے۔

جہیز کے جواز کے لئے بعض حضرات کچھ اعذار پیش کرتے ہیں، مثلاً ایک بات کہی جاتی ہے کہ جہیز دینا بالکل جائز ہے، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو جہیز دیا تھا، لیکن یہ بات عذر گناہ بدتر از گناہ قبیل سے ہے، آپ ﷺ کی تین بیٹیاں تھیں، اور آپ ﷺ نے بھی کئی نکاح کئے مگر کسی میں جہیز جیسی کسی چیز کا تذکرہ نہیں ملتا

ہے، صرف حضرت فاطمہ کے نکاح میں کچھ چیزیں دینے کا ذکر ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ:

''حضرت علیؓ نے جب نکاح کا پیغام دیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے پوچھوایا کہ گھر کے اخراجات اور مکان وغیرہ کے لئے کچھ ہے، حضرت علیؓ کے پاس ایک زرہ تھی، اور کچھ نہ تھا اس لئے وہی پیش کردی چناں چہ وہ زرہ فروخت کی گئی، اس سے ۴۸۰/درہم حاصل ہوئے، ان میں سے دو مٹھی درہم آپ ﷺ نے ضروری سامان خریدنے کے لئے حضرت بلالؓ کو دئے۔ انہوں نے ایک چرمی تکیہ، ایک سیاہ یمنی چادر، ایک چارپائی، ایک کوزہ، ایک کپڑا، اور مشکیزہ وغیرہ گھر کی بنیادی ضرورتیں خریدیں، کچھ رقم سے خوشبو وغیرہ خریدی گئی، اور بقیہ رقم حق مہر میں دی گئی۔'' (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، دسمبر، ۲۰۰۶ء)

اس سے واضح ہوتا ہے حضرت فاطمہؓ کے نکاح میں جو چیزیں دینے کا ذکر ملتا ہے وہ سب سامان حضرت علیؓ کے مال سے خریدا گیا تھا، اس لئے جہیز تو ہوا ہی نہیں؛ بلکہ شوہر کے ذریعے خریدا گیا سامان ہے، جو بالکل مطلوب اور عین شریعت ہے۔

جہیز کے جواز میں دوسری دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ہندوستان میں لڑکیوں کو وراثت میں حصہ دینے کا رواج نہیں ہے اسی لئے اس کے قائم مقام جہیز دے دیتے ہیں، معاشرے میں آج بیش تر گھرانوں کا یہی حال ہے خواتین کو جائداد میں حصہ دینے کے بجائے زیورات اور گھر کا سامان جہیز کی شکل میں دے کر کہا جاتا ہے، اب وراثت میں اس کا کوئی حق نہیں ہے، اب صرف بھائی حقدار ہیں، جب کہ مسئلہ میراث ایک بہت ہی اہم اور حساس موضوع ہے، جس کی فرضیت اور وصیت اللہ کی جانب سے ہے جس کے نفاذ پر جنت کی بشارت دی گئی ہے، عدم نفاذ و ظلم و زیادتی اور حق تلفی کی صورت میں بڑی سخت وعید سنائی گئی ہے ہے، زمانہ جاہلیت میں میں لوگ لڑکوں کو ترکہ میں حصہ دیتے تھے، مگر لڑکیوں کو حق کے وراثت سے محروم رکھتے تھے اللہ تعالی نے ان کے اس ظالمانہ اور قبیح فعل کو رد کرتے ہوئے فرمایا:

''لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا''. (سورہ نساء ۳۲)

ترجمہ: مردوں کے لئے اس (مال) میں سے (وراثت کا) حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ گئے اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ گئے، مال وراثت تھوڑا ہو یا زیادہ، (اللہ نے یہ) مقرر حصہ بنایا ہے۔

اللہ تعالی نے دور جاہلیت کے رسم و رواج اور قبائلی عادات وتقلید کو ختم کرتے ہوئے مرد وعورت دونوں کے لئے والدین اور دیگر اقرباء کے مال متروک میں حصہ مقرر کیا ہے، مگر افسوس قرآن کریم کے اس قدر واضح احکام کے بعد ہمارے مسلم معاشرے بالخصوص ہندوستان میں تقسیم میراث مفقود ہے، دور دور تک کوئی تصور نہیں۔ پوری جائیداد لڑکوں کے درمیان تقسیم ہوتی ہے، کیا زمانہ جاہلیت کا تصور ہمارے اندر اب بھی موجود نہیں ہے؟

بعض گھرانوں میں تو جب وراثت تقسیم کی جاتی ہے، تب بیٹیوں کے سامنے یہ مطالبہ رکھا جاتا ہے، وہ چاہیں تو سامان لیں چاہیں تو رقم، چند لاکھ کا سامان دے کر زیادہ رقم کی جائداد ہڑپ لی جاتی ہے، جو کہ سراسر ظلم ہے جسے ہمارے معاشرے میں حق بخشوانا کہا جاتا ہے، اور بہنوں کے سامنے یہ راستہ رکھا جاتا ہے، اگر آپ بھائیوں سے ملنا چاہتی ہیں تو

بھائیوں کے حق میں دستبردار ہونا ہوگا، اور بچیاں مائکے کو کھونے کے ڈر سے اپنا حق کھو دیتی ہیں، اگر کوئی عورت اس ظلم کے خلاف کھڑی ہوجائے تو اسے اتنا رسوا کیا جاتا ہے کہ اس کی نسلیں تک رشتوں کو توڑنے والی قرار دے دی جاتی ہیں۔

موجودہ دور میں لڑکے کے والدین بیٹی کے والدین پر دباؤ ڈال کر زیادہ رقم یا سامان وصول کرتے ہیں، اور بیٹی کے والدین معاشرے میں دکھاوے کے لئے جہیز کے نام پر بیٹی کو کپڑے، زیورات، گاڑی، فرنیچر، غرض کہ ضرورت زندگی کی ہر سہولتیں مہیا کرتے ہیں، شادی میں کافی اسراف وفضول سے کام لیتے ہیں، جس کہ آڑ میں بہت سی غیر اسلامی رسوم جنم لیتی ہیں، اس خزاں رسیدہ معاشرہ میں جہیز کو میراث کا متبادل بنا دیا گیا ہے، جب کہ جہیز ایک غیر اسلامی رسم ہے جو ہندو معاشرے کے ذریعے مسلم معاشرے میں داخل ہوئی ہے۔

ایک بیٹی کا اصل حق میراث ہے نہ کہ جہیز، مگر آج لوگوں کے ذہنوں سے میراث کا تصور اس قدر نکل گیا ہے کہ بیٹیاں اپنا حق لینے میں شرم محسوس کرتی ہیں، اور بڑے سلیقے اور صفائی سے کہہ دیا جاتا ہے، ہماری بہنوں نے معاف کر دیا ہے، انہیں میراث میں حصہ نہیں چاہیئے، واقعی بہنیں ایسا کرتی ہیں، کیونکہ ماحول ایسا بن گیا ہے، اگر وہ مطالبہ کریں گی تو گا ہے بگا ہے جو بھائیوں کے گھروں پر آنے جانے کے سلسلہ ہے، ختم ہو جائیگا، بھائی نالاں ہوجائے گیں، اور بھابھیاں تاحیات ناراض ہوجائیں گی، انہیں وجوہات کی بناء پر آج مسم معاشرے کی بہن اور بیٹیاں اپنے وراثتی حقوق سے محروم ہورہی ہیں، قرآن مجید میں جہاں عورت کے دیگر معاشرتی و سماجی درجات کے حقوق کا تعین کیا گیا ہے، وہیں احکام وراثت کی جزئیات بیان کرنے سے پہلے قرآن مجید نے تنبیہ کی ہے کہ:

''جو لوگ یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، حقیقت میں وہ اپنا پیٹ آگ سے بھرتے ہیں، ایسے لوگوں کو ضرور جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔'' (سورہ نساء، ۴/۱۰)

جہیز دینے اور وراثت سے مستحقین کو محروم رکھنے والے دوہرے جرم کا ارتکاب کرنے والے ہیں، ایک غیر مطلوب عمل کو رواج دینے کا جرم اور دوسرے تاکیدی فرض پر عمل نہ کرنے کا جرم۔ آج ضرورت ہے کہ معاشرے کو اس قبیح رسم سے روکنے کے لئے مہم چلائی جائے۔ نکاح کو آسان سے آسان بنایا جائے، جہیز کے لین دین پر حوصلہ شکنی کی جائے، اور لوگوں کو وراثت تقسیم پر آمادہ کیا جائے جو کہ مسلم معاشرے کی ہر بیٹی کی شرعی حق ہے۔

اقبال دَرّد۔ ورنگل، تلنگانہ

ایک قطعہ

نقشِ اُلفت ہے شاہکاروں میں
ایک مہتاب ہے ستاروں میں

میرے آنکھوں تلک پہنچنے کو
"خواب ٹھہرے رہے قطاروں میں"

کھو ہی جائے گا ہر کوئی یارو
خوبصورت حسین نظاروں میں

اہلِ دل جانتے ہیں دَرّد مرا
درد رکھتا ہوں راز داروں میں

بینام گیلانی

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم

صاحب عزت و مرتبہ ہوگئے
ہم غلام در مصطفیٰ ہو گئے

گم ہوئے ہیں مدینے کی گلیوں میں یوں
گویا محبوب حق کا پتا ہو گئے

ان کی شان کریمیا کے صدقے میں ہم
فقر و فاقہ سے اہل غنا ہو گئے

ہم کو حاصل بقا ہو گئی اس طرح
عشق محبوب حق میں فنا ہو گئے

خواہش خلد ذرہ برابر نہیں
آخری الزماں مدعا ہو گئے

گو خطا سے مبرہ نہیں ہیں مگر
حامل داد و شرف جزا ہو گئے

پھر بشارت خصوصی میسر ہوئی
زیب لب جو حروف صدا ہو گئے

یوں جو نعت نبی ورد ہونے لگی
ہم صفر تھے مگر منتہا ہو گئے

مصطفیٰ نام کا فیض ہی تو ہے یہ
فخر ہم کو کہ مجتبیٰ ہو گئے

محمد افضل ''افضل یوسف''

بازداری ٹولہ خیرآباد (اودھ) سیتاپور (یوپی)

غزل

آج تک جو نہ مرے اشک رواں تک پہنچے
غیر ممکن ہے کہ وہ درد نہاں تک پہنچے

ہائے طالب جو ہوئے کاکل خم دار کے ہم
دیکھیے آپ ہی خود اپنے زیاں تک پہنچے

یاد کرنے پہ تجھے ایسے بھی آتے ہیں خیال
آج تک جو نہ کبھی میرے گماں تک پہنچے

کاش ایسی ہو عطا قوت گفتار مجھے
میں یہاں سوچوں مری بات وہاں تک پہنچے

کوئے جاناں کے لئے ہی نہیں مخصوص رکھا
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

خوب دیتا ہے مجھے لطف سفر آپ کا وہ
بارہا فون پہ کہنا کہ کہاں تک پہنچے

راہ بھٹکی ہے مسرت مرے کوچے سے مگر
رنج دنیا کے سبھی میرے مکاں تک پہنچے

دیر سے ہی سہی پر دیکھ مرے نقش قدم
دشت میں قیس کے ہر ایک نشاں تک پہنچے

شاعری کا تو مجھے شوق نہیں تھا ''افضلؔ''
ان کی نظروں سے گرے ہیں تو یہاں تک پہنچے

محسن خان

فلسطین میں جاری بربریت کے خاتمہ اور وقف بل ترمیمی بل کے خلاف مسلمان زیادہ سے زیادہ دعائیں کریں

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کی جانب سے دعوت افطار، ڈاکٹر مختار احمد فردین اور ڈاکٹر محامد ہلال اعظمی اور دیگر کا خطاب

حیدرآباد (راست) آج سارے عالم میں مسلمانوں کو کئی چیلنجس کا سامنا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر جہاں فلسطین میں سالوں سے جاری جنگ میں معصوم بچوں اور نوجوانوں کی شہادت اور ان کی ماؤں و بہنوں کی آہ و بکا سے ساری امت مسلمہ خون کے آنسو رو رہی ہے تو دوسری طرف ہمارے ملک ہندوستان میں بھی مسلمانوں کو پچھلے دس سال سے کئی مشکلات ومسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ہر روز نئی نئی سازشوں کے ذریعہ مسلمانوں کو بدنام کیا جارہا ہے اور ان کا ذہنی طور پر منتشر کرتے ہوئے ترقی کے راستہ سے ہٹانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ان خیالات کا اظہار شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کی جانب سے ان کے دفتر واقع پرانی میں منعقدہ دعوت افطار سے مقررین نے کیا۔ ڈاکٹر مختار احمد فردین صدر آل انڈیا اردو ماس سوسائٹی فار پیس نے کہا کہ ہر سال رمضان المبارک کے موقع پر فلسطینیوں پر اسرائیل کی جانب

سے کئے جارہے ظلم وستم پر ساری دنیا کی خاموشی افسوسناک ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم کو جس طرح سے ہوتا ہے آگے بڑھتے ہوئے فلسطینی بھائیوں کی مدد کرنا چاہئے اور ان کے لئے خصوصی دعائیں کرنا چاہئے۔ انہوں نے اس موقع پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وقف ترمیمی بل مسلمانوں کے املاک پر قابضہ کیلئے لایا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستانی دستور میں تمام مذاہب کے لوگوں کو اپنے حساب سے عبادت کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور وقف کردہ زمینات مسلمانوں کیلئے امانت ہوتی ہے اس پر غلط نظر ڈالنا ان کے حقوق کو ختم کرنا ہے۔ ڈاکٹر محامد ہلال اعظمی (صدر شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ) نے کہا کہ ہم کو وقف کا مقام کیا ہے اور وقف کی حقیقت سے ہمارے غیر مسلم بھائیوں کو واقف کروانا چاہئے کیوں کہ بہت سارے فسادات کی وجہ ایک دوسرے کے بارے میں معلومات کا فقدان ہے۔ انہوں نے کہا کہ نئے نئے حربوں کے ذریعہ بھائی چارگی کو ہندوستان میں ختم کرنے کی سازشیں ہورہی ہیں اس لئے ہم کو محتاط طور پر رہتے ہوئے ان سازشوں کا مدلل جواب دینا چاہئے۔ ڈاکٹر عبدالقدوس (گورنمنٹ ڈگری کالج برائے اناث حسینی علم) نے کہا کہ مسلم نوجوانوں کو سوشل میڈیا اور دیگر جگہوں پر مسلمانوں کے تعلق سے جو غلط فہمیاں پیدا کی جارہی ہے اس کا صحیح انداز میں جواب دینا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ تعلیم کے ذریعہ ہم ترقی حاصل کرسکتے ہیں اور نوجوانوں میں صحیح علم نہ ہونے کے سبب ان میں غیر شعوری پن زیادہ ہورہا ہے اور وہ غلط حرکات کرتے ہوئے قانونی کے پنجہ میں پھنس رہے ہیں۔ محسن خان نے موقع پر مختلف حیدرآباد کی مساجد اور درگاہوں کے کمیٹی کے ذمہ داران سے اپیل کی کہ وہ وقف جائیداوں کے تحفظ کیلئے اہم رول ادا کریں ورنہ اگر اس میں لاپرواہی وہ برتیں گے تو آخرت میں اس کی پوچھ ہوگی۔ آخر میں مولانا ڈاکٹر حمران احمد نے فلسطینی بھائیوں اور ہندوستان میں امن و بھائی چارگی کیلئے دعا کی۔ اس موقع پر حافظ محمد وقار حسامی، محمد مصداق ہلال شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے ذمہ داران اور دیگر موجود تھے۔

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد

SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST

SIECT

Regd. No. 180/2016

مدرسہ ومسجد کے تعاون کی اپیل

حدیث نبوی ﷺ ہے خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ۔ تم میں بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسی علم کی نشر واشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** ۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تاکہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ آمین یارب العلمین۔

مدرسہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔ جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔

الحمدللہ مدرسہ میں تعمیری کام بھی جاری ہے، اس وجہ سے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ مدرسہ کا نقد یا اشیاء کے ذریعہ تعاون فرماکر یا کسی طالب علم کی کفالت لیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

مسجد الٰہی

زیر انتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام جاری ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیرّہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے، اللہ تعالیٰ مخیرّہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔ مسجد الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیر انتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔ مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے، اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کے تعمیری کام میں نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کرکے حصہ لے کر ثواب دارین حاصل کریں۔

جزاك الله خيرًا أحسن الجزاء.

Bank Name : IDBI A/c Number : 1327104000065876
A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar
G Pay & Phone Pay : 8317692718, WhatsApp: 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

February 2025

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216
Rs. 20/-

S.No.: 22-1-114, Jambagh, Kali Khabar Main Road, Dar-ul-shifa, Hyderabad - 500 024, TS
Off.: 5-3-989, 104, First Floor, Sherza Estates, N.S. Road, M.J. Market, Hyderabad - 500 095
email: kgnteasales@gmail.com

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com